جلد 1 شمارہ 12 فروری 2000ء ذیقعد 1420ھ

ماہنامہ

عالمگیر محبت،
احترام آدمیت
اور اصلاح و
فلاح انسانیت
کا علمبردار

گوجرانوالہ

آدمیت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ماہنامہ گوجرانوالہ

آدمیت فلاح

عالمگیر محبت اور بنی نوع انسان کی اصلاح وفلاح کا علمبردار

نگران وسرپرست

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

جلد 1 شمارہ 12 فروری 2000ء ذیقعد 1420ھ

قیمت ——— -/15 روپے سالانہ فنڈ ——— -/150 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-268424:

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-260734:

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

Fax: No. +92-431-255519
E-mail: asbm@guj.pol.com.pk

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

دوستو! اگر تاریخ عالم پہ نگاہ دوڑائی جائے اور مختلف اقوام کے زوال کی وجوہات معلوم کی جائیں تو قوموں کے زوال کی بنیادی وجہ الہامی تعلیمات سے دوری تھی اور الہامی تعلیمات سے روگردانی کا نتیجہ اخلاقی انحطاط و گراوٹ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اخلاقی پستی کا آغاز تو اسی وقت شروع ہو جاتا ہے جب اللہ کے احکامات سے روپوشی اختیار کی جاتی ہے مگر اس کے اثرات ظاہر ہونے میں کافی عرصہ لگ جاتا ہے۔ ایسی اقوام جو الہامی تعلیمات سے روگردانی کر کے اخلاقی لحاظ سے انتہائی دگرگوں حالت پہ پہنچ جائیں تو وہ تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ ماضی کی بہت سی اقوام ایسی تھیں جو علم و ہنر میں بہت ترقی کر چکی تھیں مگر اخلاقی پستی ہی انکی تباہی کا سبب بنی۔ قران کریم میں بھی جن قوموں پہ عذاب نازل ہونے کی تفصیلات ملتی ہیں وہ بھی صرف اور صرف اخلاق و کردار کے زوال کے سبب تباہ ہوئیں۔ اللہ کے دین یعنی اسلام پہ مکمل طور پر عمل پیرا ہونے سے دل میں اللہ کی محبت کا پیدا ہونا یقینی ہے۔ لہٰذا ایک سچا مسلمان وہی ہے جو نیک اعمال کے ذریعے اپنے اخلاق و کردار کو روز بروز سنوارتا رہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کے دو دن ایک جیسے گزرے۔ وہ گھاٹے میں ہے۔ لہٰذا مسلمان پہ لازم ہے کہ وہ اپنے اخلاق کو بہتر کرتا رہے تاکہ وہ اللہ کی محبت اور قرب و دیدار کا حقدار بن جائے۔

ان الذین امنوا وعملوا الصلحت سیجعل لهم الرحمن ودا

"البتہ جو یقین لائے ہیں اور کی ہیں انہوں نے نیکیاں انکو اللہ دے گا محبت"

من حیث القوم مسلمانوں کی اس وقت اخلاقی حالت انتہائی مایوس کن ہے۔ اللہ کی نافرمانی کا نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے اللہ کی محبت نکل چکی ہے اور اس کی جگہ خون، نسل، برادری، زبان اور علاقہ کے بت دلوں میں سما چکے ہیں اور ہمارے محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ ہماری زندگی سے خارج ہو چکے ہیں۔ اسی صورت حال کو حضرت علامہ اقبالؒ ان اشعار میں بیان فرماتے ہیں۔

شبے پیش خدا بگریستم زار
مسلماناں چرا زارند و خوار اند

(میں ایک رات اللہ کے حضور بہت رویا گڑگڑایا کہ مسلمان کیوں رنج و تکلیف میں ہیں اور کیوں ذلیل ہو رہے ہیں)

ندا آمد نمیدانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے ندارند

(غیب سے آواز آئی کہ کیا تو نہیں جانتا کہ اس قوم کے افراد دل تو رکھتے ہیں لیکن محبوب نہیں رکھتے)

بانی سلسلہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ فرماتے "ہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ فرمایا ہے کہ "ہم نے تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا ہے جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور تمہارے اخلاق کا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو قرآن کی باتیں اور حکمت یعنی تصوف و سلوک کی باتیں سکھاتا ہے اور وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے" ایسی تمام آیتوں میں تلاوت قرآن کے فوراً بعد ہی تزکیہ اخلاق کا ذکر آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تزکیہ اخلاق کتنی ضروری اور اہم چیز ہے۔ گویا قرآن کی تعلیم سنتے ہی ہم کو تزکیہ اخلاق میں لگ جانا چاہئے۔ لیکن افسوس کے مسلمان اخلاق ہی میں تمام دنیا کی قوموں سے پیچھے ہیں اور یہی انکے زوال کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ مسلمان نماز بھی پڑھتے ہیں' روزے بھی رکھتے ہیں' حج بھی کرتے ہیں' زکواۃ بھی دیتے ہیں اور موقعہ آئے تو جہاد میں خوشی سے جان دینے کو شریک ہو جاتے ہیں لیکن نہیں کرتے تو اخلاق درست کرنے کی کوشش نہیں کرتے" (بحوالہ طریقت توحیدیہ)

سلسلہ توحیدیہ کی تعلیمات میں اخلاق کی درستگی کے لئے غصہ اور نفرت کو نفی کرنے کی مشق کرائی جاتی ہے تاکہ نفسانی و اخلاقی قباحتیں قلب سے نکل جائیں اور عالمگیر محبت اور صداقت اختیار کرنے کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ اخلاق سیرت رسول ﷺ کا پرتو بن جائے۔ دل میں اللہ کی محبت کو ہر لحظہ تازہ دم رکھنے کے لئے اللہ کے ذکر یعنی پاس انفاس اور نفی اثبات کی مشق کروائی جاتی ہے تاکہ اللہ کی محبت سے سینہ معمور ہو جائے اور دیگر غیراللہ پرستیاں قلب سے نکل جائیں اور روح اپنی حقیقی منزل پالے یعنی اللہ کا قرب' رضا اور دیدار۔ بقول علامہ اقبالؒ

کسے کو درد پنہانے ندارد
تنے دارد ولے جانے ندارد

جو شخص (سینہ میں) پوشیدہ درد (درد عشق) نہیں رکھتا (یوں سمجھئے) کہ وہ جسم تو رکھتا ہے جان نہیں رکھتا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب مسلمانوں کو اتباع رسول ﷺ کے مطابق اپنا اخلاق سنوارنے کی توفیق عطا فرمائے تاکہ ہم تخلقوبااخلاق الله (اللہ جیسے اوصاف پیدا کرو) کے ذریعے اللہ کی محبت' قرب' رضا اور دیدار کے حقدار قرار پائیں۔ آمین یا رب العالمین

والسلام عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

الا من تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولیک یبدل اللہ سیاتھم حسنت وکان اللہ غفورا رحیما○ ومن تاب وعمل صالحا فانہ یتوب الی اللہ متابا (سورہ فرقان 70-71)

ترجمہ! "ہاں مگر وہ لوگ جو توبہ کر کے نیک عمل کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے۔ جو آدمی توبہ کر کے نیک عمل کرتا ہے وہ خدا کی طرف ایسا پلٹتا ہے جیسا پلٹنے کا حق ہوتا ہے۔

تفسیر و تشریح! مندرجہ بالا آیات سورہ الفرقان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان آیات سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جنت کے مستحق لوگوں کی صفات گنائی ہیں جن میں یہ آخری صفت ہے۔ ان آیات سے پہلے جو صفات بیان فرمائی ہیں کہ جنت کے مستحق لوگ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے، وہ کسی کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ وہ زنا کے مرتکب ہوتے ہیں اور اگر ان سے یہ افعال سرزد ہو جائیں تو انہیں سخت سزا ملے گی۔ بشرطیکہ وہ ان افعال کے بعد توبہ نہ کریں اور اگر وہ توبہ کر لیں اپنے رب پر ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں تو ان کی برائیاں نیکیوں میں بدل دی جاتی ہیں۔ توبہ کر کے نیک عمل کرنے والا خدا کی طرف ایسا پلٹتا ہے جیسا کہ پلٹنے کا حق ہوتا ہے۔ عربوں کے اندر تین قسم کے گناہ بہت عام اور بہت زیادہ تھے، ان آیات میں ان تینوں گناہوں کے ذکر کے بعد توبہ کی اہمیت اور خوبی یہ بیان فرمائی کہ توبہ کے ذریعہ نہ صرف ان گناہوں کی معافی مل جاتی ہے بلکہ ان کی برائیاں بھی نیکیوں میں بدل جاتی ہیں۔ گناہوں پر ندامت بجائے خود نیکی ہوتی ہے اور جب کوئی گنہگار انسان اپنے گناہوں پر پشیمانی اور ندامت کا اظہار کرتا رہتا ہے تو اس کی نیکیوں میں اضافہ ہو کر برائیوں کا گراف کرتا چلا جاتا ہے۔

توبہ کی تعریف

توبہ کے معنی مڑنا، رجوع کرنا یا پلٹنا کے ہیں۔ سرکشی اور بغاوت کا راستہ ترک کر کے خدا

کی بندگی کا راستہ اختیار کرنے کے ہیں اور خدا کی طرف سے توبہ کے معنی یہ ہیں کہ خدا تعالیٰ توبہ کرنے والے بندے کی رحمت اور مہربانی کے ساتھ مائل ہو جائے۔ خدا کے سچے بندے اور جنت کے مستحق لوگوں کی یہ صفت ہوتی ہے کہ انسانی اور بشری کمزوری کے باعث اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر ڈٹ نہیں جاتے اور نہ خدا کے ساتھ بغاوت اور سرکشی کی راہ پر چل نکلتے ہیں بلکہ فوراً" اپنے کئے پر نادم ہو کر توبہ کرتے ہیں اور خدا کی اطاعت' بندگی اور نیک عمل کرتے ہیں۔

توبہ کی قبولیت کی شرائط

ان آیات میں توبہ کی قبولیت کے لئے تین شرائط بیان ہوئی ہیں کہ بغاوت اور سرکشی کا راستہ اختیار کرنے والا اپنے رویے پر اصرار نہ کرے۔ توبہ کرے' اس رویے کو ترک کر کے خدا پر ایمان لے آئے توبہ اور خدا پر ایمان کے زبانی دعویٰ کی عملی تصدیق کے طور پر نیک عمل کرے تاکہ اس کے نیک عمل کے ذریعہ یہ ثابت ہو کہ واقعی یہ اپنے سابقہ رویہ پر نادم ہے۔ خدا پر اس کا ایمان ہے اور اس ایمان کا عملی ثبوت یہ ہے کہ اس کا عمل نیک اور درست ہے۔ جب تک ایمان اور توبہ کے ساتھ نیک عمل کا واضح ثبوت نہ ہو گا اس کی توبہ قبول نہ ہو سکے گی۔

توبہ اصلاح کا ذریعہ ہے

دراصل اسلام ایسا بہترین دین ہے جو انسانوں اور انسانی معاشرے کی اصلاح چاہتا ہے اور یہ اصلاح توبہ کے ذریعہ ایک انسان کی اور انسان کے ذریعہ اس کے پورے معاشرے کی مقصود ہے۔ خدا کے دربار میں جرم نہیں گنے جاتے بلکہ انسان کے اندر پشیمانی و ندامت کا جذبہ اور اس کی نیت دیکھی جاتی ہے' اگر دین اسلام میں توبہ اور خدا کے ہاں اس کی قبولیت کا تصور نہ ہو تو انسان کی پوری زندگی بغاوت اور سرکشی فتنوں اور فساد کی نذر ہو جائے' گناہوں کی دلدل میں دھنستا چلا جائے اور جب یہ صورت حال پورے انسانی معاشرے کی ہو جائے تو پھر انسانی معاشرہ درندوں' خونخوار جانوروں اور جنگل کے مکینوں کا معاشرہ بن جاتا۔ افراد کی

اصلاح کی کوئی صورت نہ ہوتی' لیکن توبہ کے ذریعہ خدا کی خوشنودی' خدا کی رضامندی اور اس کی نظروں میں محبوبیت کا مقام حاصل کر لینے کی یہ یقین دہانی ہی ہوتی ہے کہ آدمی توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لیتا ہے اور اپنے نیک اعمال سے سوسائٹی کا بہترین فرد بن جاتا ہے۔ وہ نہ صرف دوسروں کے حقوق کا پاسبان بن جاتا ہے بلکہ اس کی ذات معاشرے کے اجتماعی تقاضوں کی امین بن جاتی ہے۔ وہ گناہوں کے مسلسل چکر سے خود ہی نہیں نکل آتا بلکہ برائیوں' زیادتیوں اور ناانصافیوں کے خلاف سینہ سپر ہو جاتا ہے۔ توبہ کے ذریعہ اسے خدا کی بخشش کی امید ہو جاتی ہے اور امید کی یہ روشنی پورے معاشرے کو منور بنا دیتی ہے۔

ابن جریرؒ نے اس آیت کی تشریح میں طبرانیؒ کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ واقعہ لکھا ہے کہ میں عشاء کی نماز پڑھ کر گھر آیا تو ایک عورت کو گھر کے دروازے پر کھڑا ہوا دیکھا۔ میں اپنے حجرے میں چلا گیا' نوافل پڑھنے لگا تو عورت نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں باہر آیا اور اس سے پوچھا کہ تو کیا چاہتی ہے۔ اس نے کہا ایک سوال کرنے آئی ہوں کہ میں اپنے اس فعل پر نادم ہوں' سخت بے چین و بے قرار ہوں۔ کیا اب میری معافی کی کوئی صورت ہو سکتی ہے؟ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا نہیں اب کوئی صورت نہیں۔ جس پر وہ مایوس ہو کر پلٹی اور آہ بھرتی ہوئی کہنے لگی افسوس میری خوبصورتی دوزخ کی آگ میں جلنے کے لئے پیدا ہوئی تھی۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے صبح کی نماز کے بعد حضور ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تم نے غلط جواب دیا اور اسے مایوس کر دیا۔ کیا تم نے سورہ فرقان کی یہ آیتؑ پڑھی اور آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی الا من تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت وکان اللہ غفورا رحیما

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اسی وقت اس عورت کی تلاش میں نکلا۔ سارا دن ڈھونڈنے کے بعد دوبارہ عشاء کے وقت مل گئی تو میں نے اسے خوشخبری سنائی۔ جسے سن کر سجدے میں گر گئی' کہنے لگی۔ خدا کا شکر ہے جس نے میرے لئے معافی کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ گناہوں سے توبہ کی اور اسی وقت اپنی لونڈی کو اس کے بچے سمیت آزاد کر دیا۔

اسی طرح حضور ﷺ کی خدمت میں ایک بوڑھا شخص آیا۔ میری ساری زندگی گناہوں میں گزری ہے۔ کوئی گناہ ایسا نہیں جس کا ارتکاب میں نے نہ کیا ہو' اگر میرے گناہوں کو دنیا کے تمام انسانوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سارے انسان اس میں ڈوب جائیں۔ کیا مجھ جیسے گنہگار کی معافی ہو سکتی ہے؟ حضور ﷺ نے پوچھا۔ کیا تم ایمان لے آئے ہو؟ اس نے اسی وقت کلمہ شہادت پڑھا تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ جاؤ خدا معاف کرنیوالا اور مہربان ہے اور تمہاری برائیوں کو نیکیوں میں بدلنے والا ہے۔ یعنی یہی سورہ فرقان کی آیت پڑھ کر اسے توبہ کے بعد خدا کی بخشش کی امید دلائی۔ ان دونوں روایات سے ثابت کرنا مقصود ہے کہ توبہ کے ذریعہ خدا کی خوشنودی اور گناہوں کی معافی کی امید دلا کر خداوند تعالیٰ اور دین اسلام نے انسان کی ذاتی' اصلاح بلکہ پوری دنیا کی اصلاح کا بہترین موقعہ فراہم کیا ہے کہ انسانوں کو مایوس نہ ہونا چاہئے بلکہ انہیں اپنے رب کی طرف مڑ کر صالح اور نیک اعمال کرنے چاہیں۔ سورہ فرقان کی یہی آیات نہیں بلکہ قران آکیم کی پچھتر مقامات پر توبہ کے بعد گناہوں کی سزا بہر حال مل کر رہے گی بلکہ یہ سزا قیامت کے دن تک ملتوی نہیں خود اس زندگی میں بھی اسے گناہوں کی سزا ملتی ہے۔

عدل و انصاف فقط حشر تک محدود نہیں
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

یہ اسی صورت میں ہے کہ کوئی آدمی اپنے گناہوں سے توبہ نہ کرے اور گناہ آلود زندگی میں مبتلا رہ کر عمر گزار دے تو برائیوں کے بوئے ہوئے بیج کا پھل خود اسے بھی چکھنا پڑے گا۔ جو بوؤ گے سو کاٹو گے۔ قرآنی نظریہ کے مطابق اپنے گناہوں پر پشیمانی کے بعد توبہ کر کے نیک عمل کرے تو نہ صرف اس کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں بلکہ اس کی برائیوں کو نیکیوں میں بدل دیا جاتا ہے اور پھر نیک عمل کے سلسلہ میں اسے خدا کی طرف سے انعام بھی ملتا ہے۔ (بحوالہ ماہنامہ خطیب)

درس حدیث

(رانا محمد اعجاز)

عن العباس عبدالمطلب انه سمع رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول ذاق طعمه الایمان من رضی بالله ربا و بالاسلام دینا و بمحمد رسولا (مسلم)

ترجمہ! حضرت عباس بن عبدالمطلب ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ ایمان کا مزہ اس نے چکھا اور اس کی لذت اسے ملی جو اللہ کو اپنا رب اور اسلام کو اپنا دین اور محمد ﷺ کو اپنا رسول اور ہادی ماننے پر راضی ہو گیا۔

اس حدیث مبارکہ میں ایمانی تکمیل کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ایمان کی حلاوت اسی آدمی کو حاصل ہو سکتی ہے جو اللہ و رسول کی محبت میں ایسا سرشار ہو کر ہر چیز سے زیادہ اس کو اللہ و رسول کی محبت ہو اور اس محبت کا اس کے دل پر ایسا قبضہ اور تسلط ہو کہ اگر کسی اور سے وہ محبت بھی کرے تو اللہ تعالیٰ کے لئے کرے اور اللہ تعالیٰ کا دین اس کو اتنا عزیز اور پیارا ہو کہ اس سے پھرنے اور اس کو چھوڑنے کا خیال اس کے لئے آگ میں گر جانے سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہو۔

جس طرح لذیذ اور ذائقہ دار مادی غذاؤں میں ایک لذت ہوتی ہے جس کو صرف وہی آدمی پا سکتا ہے جس کی قوت ذائقہ صحیح ہو اسی طرح ایمان میں ایک خاص لذت اور حلاوت ہوتی ہے لیکن وہ ان ہی خوش نصیب لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جنہوں نے پوری خوش دلی اور رضائے قلبی کے ساتھ اللہ کو اپنا مالک اور پروردگار اور حضرت محمد ﷺ کو اپنا رسول اور اسلام کو اپنا دین اور زندگی کا دستور بنا لیا ہو اور اللہ تعالیٰ کی بندگی حضرت محمد ﷺ کی اطاعت

اور طریقہ اسلام کی پیروی کو ان کے دل نے اپنا لیا یعنی اللہ اور رسول اور اسلام کے ساتھ ان کا تعلق محض رسمی، عقلی اور دماغی نہ ہو بلکہ ان کے ساتھ دلی گرویدگی ہو۔ جس کو یہ نصیب نہیں یقیناً" وہ شخص ایمانی لذت و حلاوت سے نہ آشنا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان کے خاص آثار اور علامات میں سے ہے کہ آدمی جب کوئی نیک عمل کرے تو اسکے دل کو فرحت و مسرت ہو اور جب اس سے کوئی برا کام سرزد ہو جائے تو اس کو رنج و غم ہو۔

جب تک آدمی کے ضمیر میں یہ حس باقی رہتی ہے تو اسے سمجھنا چاہئے کہ ایمانی روح زندہ ہے اور در حقیقت یہ احساس اس کا ثمر ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایمان والوں کو اپنی تمام قابل محبت چیزوں سے زیادہ اللہ و رسول کی اور اس کے دین کی محبت ہونی چاہئے اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خاص ہدایت حاصل نہیں ہو سکتی اور ایسے شخص کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔ یہ بات واضح ہے کہ جس کو یہ دولت نصیب ہو گئی اس کے لئے ایمان کے سارے تقاضوں کو پورا کرنا اور اللہ و رسول کے احکام پر چلنا نہ صرف یہ کہ آسان ہو جائے گا بلکہ اس کی راہ میں جان عزیز تک دے دینے میں بھی ایک لذت محسوس کرے گا اور اس کے برخلاف جس کے دل میں اللہ و رسول کی محبت کا ایسا غلبہ نہ ہو گا اس کے لئے روزمرہ کے اسلامی فرائض کی ادائیگی اور عام ایمانی مطالبات کی تعمیل بھی سخت گراں اور بڑی کٹھن ہو گی اور وہ جتنا کچھ بھی کرے گا اس کی حیثیت زیادہ سے زیادہ قانونی پابندی کی سی ہو گی پاس اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ جب تک اللہ و رسول کی محبت دوسری تمام چاہتوں اور محبتوں پر غالب نہ آ جائے۔ ایمان کا اصل مقام نصیب نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ایمانی حلاوت اس کا مقدر بن سکتی ہے۔

(قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی)

مثالی نظام تربیت

اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ آئین میں کسی خطا کا امکان ہی نہیں ہے۔ اس کا ہر اصول اور ہر شق بنی نوع انسان کے لئے باعث خیر و برکت ہے۔ اللہ کے دین کے بنیادی جزو تین ہیں۔

پہلا حصہ ان عقائد پر مشتمل ہے جنہیں ارکان ایمان کہتے ہیں اور اللہ کے دین میں داخل ہونے والے ہر انسان کو ان پر سچے دل سے ایمان لانا اور اپنی زبان سے اقرار کرنا لازمی ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ ارکان اسلام یعنی فرض اعمال کی پابندی اور اللہ کی کامل بندگی پر مشتمل ہے۔ تیسرا حصہ احسان کہلاتا ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ تمام اعمال کی انجام دہی اخلاص کے ساتھ کی جائے اور اس میں اللہ کی رضا اور محبت کے سوا اور کوئی غرض و غایت شامل نہ ہو۔ ان تینوں اجزاء کے ملنے سے جو ضابطہ حیات بنتا ہے وہ بنی نوع انسان کی زندگی کے حقیقی مقصد کے حصول کو یقینی بنا دیتا ہے۔ یہ لائحہ عمل اللہ' انسان اور کائنات کی مثلث کا عقدہ پوری طرح حل کر کے انسان کو اس کے صحیح مقام اور متوقع کردار سے باخبر کر دیتا ہے۔ انسان پر یہ راز کھل جاتا ہے کہ وہ کیا ہے' کہاں سے آیا ہے' اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے اور اسے لوٹ کر کہاں جانا ہے۔ دین اسلام تو نام ہی اللہ تعالیٰ کی مکمل اطاعت کا ہے اس پائے کی اطاعت کے لئے ازلی و ابدی حقائق پر مشتمل ایک نظام کو تسلیم کرنا پیشگی تقاضا ہے۔ جن چیزوں کو بغیر دیکھے ماننا ضروری ہے وہ ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات' اس کے فرشتے جو اس کے حکم کے تحت تمام کائنات میں کام کر رہے ہیں' اللہ کے رسول' اللہ کی کتابیں اور آخرت کی زندگی۔ چونکہ یہ سب چیزیں غائب میں ہیں اور عام انسان ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا' اور نہ ظاہری حواس کے ذریعے ان کی حقیقت معلوم کی جا سکتی ہے اس لئے ان بنیادی عقائد کو بغیر دیکھے مان لینا ایمان بالغیب کہلاتا ہے' ان پانچ چیزوں کو تسلیم کرنے والا شخص دائرہ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس رضاکارانہ فیصلے سے اس نے گویا اپنی خواہشات اور آزادی کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا پابند کر لیا۔ اب اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کی منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کے ہر حکم کی تعمیل خوشی اور تندہی سے

کرتا ہوا اللہ کی محبت کے صراط مستقیم پر آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کے توسط سے انسانی زندگی کے ہر شعبے کے لئے جو ہدایات دے رکھی ہیں ان کے مطابق زندگی بسر کرنے کا نام عبادت ہے۔ اللہ کے دین میں ایک مسلمان کو راہ راست پر رکھنے اور نفس کی شرارت سے بچانے کے لئے چند اعمال کا بجالانا فرض عین قرار دیا گیا ہے۔ ان کی حیثیت اور اہمیت وہی ہے جو کسی عمارت میں ستونوں کی ہوتی ہے۔ صرف ستونوں کو پوری عمارت قرار نہیں دیا جاسکتا لیکن ستونوں کے بغیر عمارت کا وجود قائم نہیں رہ سکتا۔ اس لئے ان اعمال کو ارکان اسلام یعنی اسلام کے ستون کہا جاتا ہے۔ ان میں سب سے اول کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرنا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود اور محبوب ماننا اور حضرت محمد ﷺ کو اللہ تعالیٰ کا رسول جانتے ہوئے اپنا مطاع تسلیم کرلینا ہے۔ یہ دین اسلام کا رہنما اصول ہے۔ باقی چار ارکان کا تعلق عمل سے ہے اور وہ نماز' روزہ' زکوۃ اور بیت اللہ کا حج ہیں۔ جیسا کہ اللہ کا دین کے عنوان کے تحت لکھا جاچکا ہے کہ دین ہمیشہ ایک ہی تھا اور اس کا مقصود بھی ایک ہی تھا۔ اس لئے تمام لازمی عبادات یعنی ارکان اسلام گذشتہ امتوں پر بھی اسی طرح فرض قرار دیے گئے تھے جس طرح آخری امت پر فرض قرار دیے گئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کو بیت اللہ کی تعمیر کا حکم ملا تو اس کی جگہ کا تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا گیا تھا۔ مشہور یہی ہے کہ یہ مقدس جگہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت ہی سے مرجع خلائق تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ ہدایت بھی دی گئی تھی کہ کعبہ کی تعمیر کے بعد لوگوں میں منادی کردینا کہ اس کا حج فرض ہے۔ (سورۃ الحج۔ 27) روزے کے بارے میں بھی فرمایا گیا۔

یایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون (البقرہ)

"اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا ہے جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو سکے"

باقی ارکان اسلام کی پابندی بھی اسی طرح فرض تھی۔ قرآن کریم میں گذشتہ انبیاء حضرت ابراہیم' حضرت لوط' حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیھم السلام کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا۔

وجعلنھم ائمہ یھدون بامرنا و اوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوۃ وایتا الزکو

ۃ وکانوالنا عابدین (الانبیاء۔73)

"اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا کہ ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ہم نے ان کو بھلائی کے کام کرنے اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم بھیجا اور وہ ہماری عبادت کرنے والے تھے"

یہ بات ذہن میں رہے کہ اللہ تعالیٰ کے آئین کی پابندی انسان کی اپنی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر وہ اپنے مقصود حیات تک پہنچ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات ہمارے کفر و ایمان' ہماری بغاوت و عبادت اور کائنات کی ہر شے سے غنی اور بے نیاز ہے جو بندہ ارکان اسلام کی پابندی کرے گا اس میں اسی کا بھلا ہے اور جو ان سے روگردانی کرے گا وہ ہدایت اور نور سے محروم ہو کر خود اپنا نقصان کریگا اور آخرت کی زندگی میں پچھتائے گا۔ قرآن کریم میں جن باتوں کے کرنے کا حکم ہے ان کو خوشی سے کرنا اور جن کو نہ کرنے کا حکم ہے ان کو نہ کرنا ہی عین اسلام ہے اور اسی میں انسان کی فلاح اور نجات کا راز مضمر ہے۔

ایک مومن کے لئے یہ امر بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ وہ اپنے آقا و پروردگار کا ذکر کثرت سے کرے' اس کے رسول ﷺ کا اتباع کرے' آخرت کو دنیا پر ترجیح دے اور متاع ارضی کی محبت میں گرفتار نہ ہو۔ ان مقاصد کے حصول کے لئے ہی فرض عبادات کی پابندی لازمی قرار دی گئی ہے۔ یعنی یہ بذات خود مقصود نہیں ہیں بلکہ اللہ کے قرب کے حصول کا ذریعہ ہیں۔ ان فرض اعمال میں سے اہم ترین عبادت نماز ہے جس کی پابندی کے لئے قرآن کریم میں سینکڑوں مرتبہ تاکید کی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے ایمان کی پہچان' مومن کی معراج اور جنت کی کنجی فرمایا ہے۔ روزہ' زکوٰۃ اور حج تو سالانہ عبادات ہیں صرف نماز ہی روزانہ عبادت ہے۔ ان میں سے بھی زکوٰۃ اور حج صرف مالدار اور صاحب استطاعت لوگوں پر فرض ہے۔ لیکن پانچ وقت کی نماز ایسی عبادت ہے جس کی پابندی زندگی کے آخری لمحات تک ہر مسلمان پر فرض ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کی استطاعت اور توفیق ہر ایک کو دے رکھی ہے اور اس کا ادا کرنا ہر انسان کے بس میں ہے۔ اس عبادت میں لاتعداد حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ جب ایک مومن پابندی کے ساتھ پانچ وقت اللہ کے گھر میں حاضر ہو کر باجماعت نماز ادا کرتا ہے تو اس کی برکت سے متاع ارضی کی ہوس کی جو تھوڑی بہت دھول اس پر پڑی ہوتی ہے وہ ساتھ ساتھ دھلتی رہتی ہے اور اللہ کی محبت میں برابر ترقی ہوتی رہتی ہے۔ وہ آخرت کی زندگی کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی میٹھی نیند' آرام و راحت' کام کاج' گھربار' مال و

مال اور آل و اولاد کی محبت کو توڑ کر اللہ کے حضور پیش ہو کر یہ ثابت کر دیتا ہے کہ اس کی محبت کا مرکز اور وفا کا قبلہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وہ نماز کے دوران قیام و قعود اور رکوع و سجود میں بار بار اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرتا' اس کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرتا اور اس کی کبریائی کے سامنے بصد عجز و نیاز اپنی پیشانی سجدے میں رکھ دیتا۔ نماز میں بار بار پڑھی جانے والی سورت فاتحہ کے معانی و مطالب پر ذرا غور فرمایئے۔ انسان کو نہ تو رب کائنات کے دربار میں حاضری کا سلیقہ آتا تھا نہ ہی شہنشاہ دو جہاں کے حضور عرض تمنا کے لئے موزوں الفاظ کا علم تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے سات آیات پر مشتمل یہ خاص سورت حضور نبی کریم ﷺ کے وسیلہ سے اپنے بندوں کو عطا فرمائی۔ اس میں بندوں کو اپنے حضور حمد و ثناء اور التجاؤ دعا پیش کرنے کے لئے اپنی شان کے شایان بہترین کلمات کی تربیت دی گئی ہے۔ حضور رحمت اللعالمین ﷺ نے اسے بہترین دعا کا خطاب فرمایا ہے۔ یہ سورت نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اس میں سب سے پہلے تو بندے رب کائنات کی حمد بیان کرتے ہیں اور اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ ہمیں تو تیری عظمت اور قدرت کا صحیح عرفان ہی حاصل نہیں کہ ہم تیری خاص الخاص حمد کو جو تیری شان کے لائق ہے بیان کر سکیں۔ تمام حمد و ثناء تیرے ہی لئے ہے کیونکہ باقی ہر شے میں جو بھی خیر و خوبی ہے وہ تیری ہی عطا کردہ ہے۔ تو اتنا بڑا بادشاہ ہے کہ پوری کائنات پر تیری حکمرانی ہے۔ اتنے بڑے شہنشاہ سے بات کرتے ہوئے بھی ڈر لگتا ہے کیونکہ دنیا کے چھوٹے چھوٹے بادشاہ اپنے آپ کو ہیبت ناک اور رعب دار بنا کر رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کے خوف کو دور کرنے کے لئے اگلی آیت میں اپنے دو ایسے صفاتی نام رکھ دیے جو سراسر پیار' محبت' رحمت اور مہربانی کا مظہر ہیں۔ الرحمن الرحیم۔ وہ بے شک عظیم بادشاہ ہے لیکن وہ بے حد مہربان اور نہایت ہی رحم والا ہے وہ روز جزا کا بھی مالک ہے اس لئے تم بلا خوف دنیا و آخرت کی بھلائیاں حاصل کرنے کی درخواست پیش کرو۔ اس کے بعد اللہ کے بندے رب کائنات کے ساتھ اپنے تعلق کا اظہار کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں کہ ہم تو آپ کی ہی غلامی اور بندگی کرتے ہیں اور صرف آپ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ آپ کی محبت اور رضا ہی ہمارے لئے سرمایہ دارین ہے اس لئے تو ہمیں اپنی اطاعت اور محبت کے صراط مستقیم پر چلائے رکھ تاکہ تیرا قرب حاصل کر کے ہم بھی انعام یافتہ لوگوں میں شامل ہو جائیں اور شیطان کے بہکاوے میں آ کر صراط مستقیم سے ہٹ کر تیرے غضب کا مستحق ہو جانے والوں اور کفر کے

اندھیروں میں گمراہ ہو جانے والوں میں سے نہ ہو جائیں۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ کیا شان ہے اس دعا کی کہ اسکے پڑھنے سے دین کا پورا خاکہ' قرآن کی تعلیم کا جامع خلاصہ اور انسان کی زندگی کا حقیقی مقصد آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد اس اہم ترین عبادت کو بار بار دہرانے کا یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت' زندگی کی غرض و غایت اور آخرت میں جزا و سزا کا احساس ہر وقت شعور میں تازہ رہتا ہے۔ نماز کا مقصود یہی ہے اور یہی وہ نماز ہے جو برائیوں' گمراہیوں اور ناپسندیدہ اعمال سے انسان کو بچالیتی ہے۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ آپ جس چیز کو یاد کرتے رہیں گے وہ یاد رہے گی اور جس کا ذکر ترک کر دیں گے وہ آخر کار فراموش ہو جائے گی۔ جس شخص نے قرآن کریم کو حفظ کرنے کی سعادت حاصل کر رکھی ہو وہ اگر اس کو مسلسل دورہ نہ کرتا رہے تو اسے قرآن بھی آہستہ آہستہ بھول جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے نماز کے بارے میں فرمایا ہے۔ اقیمو الصلوٰۃ لذکری میرے ذکر کے لئے یعنی مجھے یاد رکھنے کے لئے نماز قائم کرو۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے نمازوں کی جتنی رکعتیں' جو ارکان' آداب اور اوقات تعلیم فرمائے ہیں وہ سب پر از حکمت ہیں۔ ان کے مطابق نماز ادا کرنے سے ہی مطلوبہ نتائج حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ اس اہم ترین عبادت کی حقیقی افادیت تھوڑے وقفوں کے بعد ادا کرنے ہی میں ہے تاکہ دین کے بنیادی حقائق ہر وقت شعور میں تازہ رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتبا موقوتا○ (النساء۔ 103)

"بے شک نماز مومنین پر وقت کے وقفوں کے ساتھ فرض کی گئی ہے"

نماز باجماعت باہمی نظم و ضبط اور اطاعت امیر کی مسلسل تربیت کا اہتمام بھی ہے اور اس حقیقت کا اظہار بھی کہ دین اسلام شخصیت پرستی کی بجائے اللہ کی الوہیت اور حاکمیت کا علمبردار ہے کیونکہ جماعت کا امیر اور امام خود بھی اسی ہستی کے سامنے سجدہ ریز ہو کر اظہار بندگی کر رہا ہے جس کے سامنے جماعت اپنی جبین خاک پہ رکھے ہوئے ہے۔ اس سے مومن ہر روز پانچ مرتبہ ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر اخوت و محبت' مساوات اور اکرام انسانیت کی تربیت حاصل کرتا ہے۔ دوسرے بھائیوں سے مل کر ان کے دکھ سکھ سے آگاہ ہوتا اور حتی المقدور ان کی خدمت اور مدد کرتا ہے۔ نماز اور ذکر سے روح کو غذا اور قوت ملتی ہے اور دل اطمینان پاتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی ذہنی سکون اور جسمانی راحت بھی حاصل ہوتی ہے۔ اس ضمن میں ایک اور بات بھی قابل

توجہ ہے کہ قرآن کریم کی سورت یاسین میں آیا ہے کہ قیامت کے روز ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے باتیں کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے اعمال کے بارے میں گواہی دیں گے۔ اس لئے انسان کے لئے بہت ضروری ہے کہ ان سرکاری گواہوں کو عبادات میں اور خاص طور پر نماز میں لگائے رکھے تاکہ کچھ نیک گواہوں کا بھی انتظام ہو جائے۔ نماز کے بعد اہم ترین عمل اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرنا ہے۔ قرآن کریم میں ایمان لانے کے بعد کثرت کے ساتھ جن دو اعمال کا ذکر آتا ہے وہ نماز اور زکوۃ ہیں۔ نماز کا تعلق اللہ تعالیٰ کی محبت بھری عبادت سے ہے اور زکوۃ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اللہ کی سب سے پیاری مخلوق انسانوں کی خدمت کے لئے مال صرف کرنے کا نام ہے۔ اس کی ادائیگی سے جہاں بنی نوع انسان کے دکھوں کو کم کر کے ان کی حالت کو بہتر بنانا مقصود ہے وہاں مومن کے قلب کو مال و دولت کی محبت کے مضر اثرات سے بچانا بھی ہے۔ اسی طرح روزہ بھی انسانی کردار کے بنانے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے۔ روزے کو عربی میں صوم یا صیام کہتے ہیں جس کے معنی ہیں کسی چیز سے کر جانا یا اس کو ترک کر دینا روزہ سے مراد کسی کام کا کرنا نہیں بلکہ کچھ کاموں کو نہ کرنا ہے۔ اس میں نفس کی خواہشات کی تکمیل سے روکا جاتا ہے تاکہ اسے اللہ کی محبت کی راہ میں حائل ہونے والی چیزوں سے بچنے کی مشق کرائی جائے۔ شریعت کی اصطلاح میں صوم سے مراد یہ ہے کہ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جنسی ضرورت پوری کرنے سے باز رہا جائے۔ یہ چیزیں بنیادی خواہشات کی اہمیت رکھتی ہیں۔ اگر ان کو ضبط میں لایا جائے تو دوسری خواہشات کو آسانی سے کنٹرول کیا جا سکتا ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ تقویٰ کی تربیت روزے کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی اور اس سلسلے میں کوئی بھی دوسری عبادت روزے کا بدل نہیں بن سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ تمام گذشتہ امتوں پر بھی فرض رہا ہے۔ تقویٰ کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ مومن اپنے آپ کو دنیا و مافیہا کی محبت سے بچا کر اللہ کی محبت اور قرب و رضا کے لئے وقف ہو جائے۔ روزے کا مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جب روزہ پورے احساس و شعور کے ساتھ رکھا جائے اور ان تمام مکروہات سے اس کی حفاظت کی جائے جن کے اثر سے روزہ بے جان ہو جاتا ہے حقیقی روزہ وہی ہے جس میں مومن قلب و روح اور ان کی ساری صلاحیتوں کو اللہ کی نافرمانی سے بچائے اور نفس کی خواہشات کو اللہ کے احکام کے تابع بنائے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ "جب تو روزہ رکھے تو لازم ہے کہ تو اپنے کانوں، اپنی آنکھوں، اپنی زبان، اپنے

ہاتھوں اور اپنے سارے اعضائے جسم کو خدا کی ناپسندیدہ باتوں سے روکے رکھے"

دین کا تیسرا جزو اخلاص ہے۔ اس کی غرض و غایت یہ ہے کہ جو کام بھی کیا جائے وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے کیا جائے اور اس میں ذاتی شہرت' نام و نمود اور نمائش و ریاکاری کا قطعی دخل نہ ہو۔ اعمال میں خلوص کی حیثیت جسم میں روح کی مانند ہے۔ خلوص کے بغیر اعمال بے جان اور بے قدر و قیمت ہو جاتے ہیں۔ نماز' روزہ' صدقہ' قربانی' حج اور جہاد اللہ کے ہاں اسی وقت قبولیت حاصل کرتے ہیں جب ان سے مقصود صرف اللہ کی رضا ہو۔ قرآن و احادیث کے مطابق خلوص و محبت سے خالی اعمال انسان کے منہ پر مارے جائیں گے۔ حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ "جس نے ریاکاری کی اس نے شرک کیا" کیونکہ ریاکار اپنے اعمال سے اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی بجائے لوگوں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ چونکہ ریا کا تعلق باطنی نیت سے ہوتا ہے اس لئے ایک مومن خود اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتا ہے۔ وہ اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے طریقے سیکھتا ہے۔ وہ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل' تلاوت قرآن' درود شریف اور کثرت ذکر کے ذریعے قلب کی نورانیت میں اضافہ کرتا ہے جس کے اثر سے نفس کی حالت بھی سنورنا شروع ہو جاتی ہے۔ وہ ناشکری اور گلوں شکووں کی عادت ترک کر کے ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہنے کا شیوہ اپنا لیتا ہے۔ آخر کار اس مقام پر پہنچ جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی پسند و ناپسند اس کی اپنی پسند و ناپسند بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی لذت اسے متاع دنیا کی محبت سے بیگانہ کر دیتی ہے۔ وہ عالم اسباب میں اسباب کو استعمال کرتے ہوئے بھی ان پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ نتائج اور حسن انجام کے لئے اللہ پر توکل کرتا ہے۔ اسی لئے ظاہری اسباب کی کمی یا عدم موجودگی اس کے عزم و ہمت اور ذوق عمل کو ڈگمگا نہیں سکتی۔ شیطان کا تعلق انسان کے نفس کے ساتھ ان خواہشات کے سبب ہوتا ہے جو ماسواء اللہ کی محبت کی وجہ سے جنم لیتی ہیں۔ جب نفس مسلمان ہو جائے اور انسان کی خواہشات میں بھی اللہ کی محبت گھر کر لے تو شیطان کا رابطہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ماسواء اللہ سے استغناء توکل علی اللہ اور کثرت ذکر ہی وہ محفوظ قلعہ ہے جس میں داخل ہو کر ایک مومن شیطان کی دسترس سے محفوظ ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ارشاد فرماتے ہیں۔

انہ لیس لہ سلطن علی الذین امنوا وعلی ربھم یتوکلون ○ انما سلطنہ علی

الذین یتولونہ والذین ھم بہ مشرکون ۝ (النحل 99 تا 100)

"شیطان کا ان لوگوں پر کچھ زور نہیں چلتا جو ایمان لے آئے اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں۔ اس کا زور ان پر چلتا ہے جو اسکے ساتھ دوستی لگاتے ہیں اور اللہ کے شریک مقرر کرتے ہیں"

اللہ کی توحید اور کثرت ذکر سے اللہ کے ساتھ تعلق بڑھتا چلا جاتا ہے اور قطع ماسواء اللہ اور تسلیم و رضا کی مسلسل مشق کرنے سے ہی توکل علی اللہ اور تبتل الی اللہ کا مقام حاصل ہو سکتا ہے۔ اصلاح قلب اور اخلاص فی العمل کا تعلق تصوف کے شعبہ سے ہے۔ تصوف یا طریقت کی تعلیم نہ تو شریعت سے علیحدہ ہے اور نہ ہی اس کے خلاف ہے۔ بلکہ طریقت تو اصل میں شریعت کی ایک خادمہ کی حیثیت رکھتی ہے اور دین کے تیسرے جزو اخلاص اور مرتبہ احسان کے حصول میں اس کی معاون بنتی ہے۔ تصوف کا اصل کام دلوں کی صفائی کر کے اس میں اللہ کی محبت کو بیدار کرنا ہے۔ اس کا مقصود کشف و کرامات کی طاقت حاصل کرنا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور قرب کا حصول ہے۔

اللہ کے دین میں جن لازمی فرائض کا ذکر کیا گیا ہے یہ اللہ کی بندگی کے کم از کم معیار کو ظاہر کرتے ہیں۔ پانچ وقت کی نماز ہر بچے بوڑھے اور تندرست بیمار کو ادا کرنی پڑتی ہے لیکن قرآن کریم میں راتوں کو قیام و سجود میں گذارنے اور نماز تہجد کے لئے بیدار ہونے والوں کا بھی ذکر موجود ہے۔ اسی طرح اڑھائی فیصد زکوۃ ادا کرنا فرض ہے۔ جو اس سے انکار کرے اس کے خلاف اسلامی حکومت جنگ کر سکتی ہے حضور ﷺ کی مثالی زندگی تو اسطرح تھی کہ کبھی گھر میں مال جمع ہونے ہی نہیں دیا گیا۔ جو آیا اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا اور یوں زکوۃ فرض ہونے کی کبھی نوبت ہی نہیں آئی۔ ایک جنگ کے موقع پر حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنا سارا اثاثہ اور حضرت عمرؓ نے آدھا اثاثہ اللہ کی راہ میں پیش کر دیا تھا۔ اسی طرح فرض روزوں کے علاوہ سنت اور نفلی روزوں کی فضیلت بھی احادیث میں بیان کی گئی ہے اور اللہ والوں کا اس پر عمل رہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ فرض اعمال کا جو کم سے کم معیار مقرر کر دیا گیا ہے اس کی پابندی ہر مسلمان پر لازمی ہے۔ جی چاہے یا نہ چاہے ان کی ادائیگی بہر صورت کرنی پڑے گی۔ لیکن نوافل کا معاملہ مومن کے ذوق پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

البتہ اللہ کی راہ میں آگے بڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور نیک کاموں میں ایک دوسرے سے مسابقت کا حکم دیا گیا ہے اور مومنین سے ترقی کر کے مقربین میں شامل ہونے کے ذوق کو ابھارا گیا

ہے۔ یہ جو کم از کم فرائض مقرر کئے گئے ہیں ان پر عمل کرنے سے تو مسلمانی قائم رہتی ہے لیکن اللہ کا قرب نوافل سے حاصل ہوتا ہے۔

اگر ہم نماز کے دوران رکوع و سجود کی تسبیحات ہمیشہ تین تین مرتبہ ہی پڑھیں اور قرآن کی تلاوت بھی کم از کم کریں تو شرعی فرض تو یقیناً" ادا ہو جائے گا۔ لیکن ہمارے کم از کم معیار پر عمل کرنے سے ہمیں اجر و ثواب بھی کم از کم ہی ملے گا۔ بندہ مومن جب اللہ کی محبت میں لمبے لمبے رکوع و سجود کریگا اور اپنے ذوق سے تسبیحات کی تعداد بڑھاتا چلا جائے گا تو یہ نفلی اضافہ اللہ کی محبت کے حصول میں مدد دے گا۔ اسی طرح اللہ کی محبت اور قرب کی جستجو رکھنے والے صرف پانچ وقت کی نماز کے دوران ہی اللہ کا ذکر نہیں کرتے بلکہ جو دم غافل سو دم کافر کے اصول پر چلتے ہوئے ہر سانس کے ساتھ اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں بار بار حکم دیا گیا ہے کہ کھڑے بیٹھے اور پہلو پر لیٹے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ حضور نبی کریم ﷺ کے اسوہ حسنہ میں اللہ کی محبت کے ذوق و شوق میں نماز کے دوران اتنے طویل قیام کا ذکر بھی ملتا ہے کہ آپ کے پائے اقدس میں ورم آجاتا تھا اور کبھی کبھی سجدہ اتنا طویل ہوتا کہ حضرت عائشہ ؓ کو تشویش لاحق ہو جاتی کہ کہیں روح مبارک قفس عنصری سے پرواز تو نہیں کر گئی۔ اس طرح کی اعلیٰ کیفیات سے آشنائی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جب نمازیں اللہ کی حضوری والی اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان بن جائیں۔ جب نماز کی لذت میں ایسا استغراق نصیب ہو جائے کہ جسم ظاہری کا ہوش ہی نہ رہے اور اس میں گہرا لگا ہوا تیر کھینچ لیا جائے تو خبر تک نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم ﷺ کے صحابہ ؓ کے ذوق و شوق والی نمازوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

ترالعم رکعا سجدا یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود (الفتح۔29)

"تو ان کو دیکھتا ہے کہ رکوع اور سجدہ میں اللہ کا فضل اور اس کی رضا طلب کر رہے ہیں ان کے محبت بھرے سجدوں کا نور ان کے چہروں سے ڈھلکتا ہے"

خواجہؒ کے خطوط

(تدوین و ترتیب۔ خالد مسعود)

خلوص وللہیت

1۔ "اکبر صاحب سے میں واقف نہیں ان کا خط آیا تھا۔ بہت لمبا تھا۔ سارے خط میں دنیا کا رونا رویا تھا۔ یہ لوگ خدا کے طالب نہیں ہوتے۔ صرف اس خیال سے حلقہ میں شامل ہوتے ہیں کہ دنیا کی مصیبتیں حل ہو جائیں۔ مطلب یہ کہ ان میں خلوص نہیں ہوتا۔ اسی واسطے ان کا کام بھی نہیں ہوتا۔ اگر یہ واقعی اللہ واسطے حلقہ میں شریک ہوں تو دنیا بھی درست ہو جائے اور روحانی حالت بھی۔ ان سے کہیں کہ خلوص اختیار کریں۔ پچھلی زندگی کی مکروہات سے سچے دل سے توبہ کریں اور حلقہ کی تعلیم پر عمل کریں"

(بنام عالمگیر صاحب 1971-9-6)

2۔ "اس مرتبہ آپ نے بانڈ وغیرہ کی بابت نہیں لکھا اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ آپ سے قلبی تعلق اور بڑھ گیا ہے کیونکہ دنیاوی امور کے تقاضوں سے قدرتاً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ تقاضا کرنے والے کے دل میں خلوص نہیں ہے اور وہ مجھ سے اور حلقہ والوں سے اللہ واسطے کا تعلق نہیں رکھتا بلکہ دنیاوی فائدوں کے لئے ملتا ہے۔ اس خیال سے تکدر پیدا ہو جاتا ہے اور اس آدمی کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ اسی طرح خلوص دل سے ملتے رہے تو ناممکن ہے کہ آپ کا کام نہ ہو جائے اور آپ کی مالی پریشانیاں رفع نہ ہو جائیں"

(بنام مخدوم ریاض حسین صاحب 1962-1-26)

3۔ "آپ لوگ خلوص سے کام کرتے ہیں تو حلقہ کیوں نہ بڑھے اور توحید کی تعلیم کو فروغ کیوں نہ ہو۔ جس دن کسی کے دل میں اپنی بڑائی اور ذاتی ترفع کا خیال

پیدا ہو گا اثر جاتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس خلوص اور Selflessness کو قائم رکھے اور اس کا اجر یہاں اور وہاں اتنا زیادہ ملے گا جس کا کوئی گمان بھی نہیں کر سکتا"

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 1963-12-6)

4۔ "کئی لوگ محض یہ سن کر مرید ہونے لگے کہ یہاں روپیہ کی مدد بھی ملتی ہے۔ اس طرح قرض میں بہت روپیہ مارا گیا۔ عطیات بھی فضول ہی گئے۔ لوگوں نے دھوکے دے کر روپیہ لیا۔ ایسے لوگوں میں اللہ اللہ کسی نے بھی نہیں کی۔ صرف دکھاوا ہی دکھاوا تھا۔ وہ تو مرید ہی دنیا کے لئے ہوئے تھے۔ لہٰذا مجبوراً" وہ بند کر دیا گیا۔ اگرچہ اس طرح بہت سے مستحق لوگ بھی محروم ہو گئے لیکن نااہلوں کو فضول روپیہ بھی جانے سے بچ گیا۔ یہ ہماری قوم ہے"

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 1967-9-8)

5۔ "ان سے کہہ دیں کہ حلقہ میں صرف اللہ اللہ کی غرض سے شامل ہوں کسی دنیوی مطلب کے لئے نہ ہوں۔ اگر خلوص ہو گا تو دنیوی مطلب خود ہی پورے ہو جائیں گے"

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1962-3-16)

6۔ "آپ کا خط پڑھ کر خوشی ہوئی۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب توحیدیوں کے درجات بلند کرے اور مخلوق خدا کی خدمت کی توفیق دے۔ یہ سب رونق حلقہ کے ساتھ آپ کی محبت اور خلوص کی وجہ سے ہے"

(بنام محمد مرتضیٰ صاحب 1970-8-23)

7۔ "آپ کا خط پڑھ کر دل بہت خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے ہر ایک کو اتنا دے کہ میری طرح سے سب کو بانٹ سکو۔ یہ بات خلوص اور محبت کی زیادتی سے حاصل ہو سکتی ہے"

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب 1972-5-21)

پردہ جو ہٹا

(محمد صدیق ڈار توحیدی)

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ سے راقم الحروف کو جن روحانی مشاہدات کے بارے میں سننے کا اتفاق ہوا اس کا سلسلہ آگے بڑھاتے ہوئے چند مزید واقعات قارئین کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا۔

"ایک مرتبہ دیکھا کہ حد نگاہ تک وسیع ایک پردہ تنا ہوا ہے۔ جب میں اس کے قریب گیا تو جس طرح سینما گھروں میں سکرین کے سامنے لگا ہوا پردہ دونوں جانب سرکا دیا جاتا ہے اسی طرح یہ پردہ بھی ہٹ گیا۔ میں اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ سامنے ایک میز پڑی ہے جس پر پڑا ایک چراغ جل رہا ہے۔ میں نے کہا یہ کیا ہے؟ تو داہنی طرف سے آواز آئی کہ یہ تمہارا رب ہے۔ میں نے کہا کہ یہ تو ایک چراغ ہے یہ کیسے میرا رب ہو سکتا ہے۔ اس پر آواز آئی کہ آپ نے قرآن کریم کی سورت النور میں کیا یہ نہیں پڑھا کہ اللہ کی مثال چراغ کی طرح ہے؟ میں نے کہا کہ وہ تو اللہ کے نور کی مثال بیان کی گئی ہے۔ وہاں یہ تھوڑا ہی فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود ایک چراغ ہے۔ اس پر آواز آئی کہ اس چراغ کے قریب ہو کر اسے غور سے دیکھو۔ میں قریب ہو کر دیکھا تو اس کی لو سے کالے کالے باریک سے ذرات نکل کر فضا میں جا رہے تھے۔ آواز آئی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا عمل ہے جو مسلسل جاری رہتا ہے۔ یہ کالے کالے ذرات خلا میں جا کر کہکشاؤں اور کروں کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ وہاں سے ہم آگے بڑھے تو سامنے ایک سروس کاؤنٹر سا بنا ہوا دکھائی دیا۔ ایک نہایت ہی حسین و جمیل نوجوان بہت ہی خوبصورت انگریزی لباس پہنے ہوئے اس کاؤنٹر پر اپنی ایک کہنی لٹکائے ہوئے کھڑا تھا۔ اس کی پشت ہماری طرف تھی اور اس کے چہرے کا صرف بایاں رخ نظر آ رہا تھا۔ ہم نے پوچھا یہ صاحب کون ہیں تو آواز آئی کہ یہ اللہ میاں ہیں۔ میں نے کہا لا حول ولا قوۃ الا باللہ یہ تو انسان ہے بھلا یہ کیونکر اللہ میاں ہو سکتے ہیں۔ اس پر جواب آیا کہ آپ نے وہ حدیث شریف نہیں سنی خلق اللہ آدم علی صورتہ کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔ میں نے کہا یہ بات تو مجازاً فرمائی گئی ہے تاکہ انسان اپنی ذات میں تدبر و تفکر کر کے اللہ تعالیٰ

کی ذات و صفات کی معرفت حاصل کر سکے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اللہ تعالٰی بھی انسان کی سی شکل و صورت اور وجود رکھنے والی ایک ہستی ہے۔ اللہ تعالٰی کی ذات ہمارے وہم و گمان اور تخیل و تصور سے ماوراء ہے۔ ہمیں ہمارے مرشد نے یہ بات پڑھا رکھی تھی کہ جو کسی شکل و صورت میں دکھائی دے وہ اللہ کی ذات نہیں ہو گی۔ پھر میں نے خود ہی ایک سوال کر دیا کہ چلو اچھا یہ جو کچھ بھی ہیں انہوں نے انگریزی لباس کیوں پہن رکھا ہے تو اس پر جواب آیا کہ اللہ میاں جس قوم کا لباس پہن لیتے ہیں اسی قوم کو دنیا میں عروج حاصل ہو جاتا ہے"

پھر آپ نے فرمایا کہ "وہ جو کوئی بھی تھا لیکن اتنا خوبصورت تھا کہ ظالم کی تصویر آج بھی دل میں کھبی ہوئی ہے"

قبلہ حضرتؒ کی ایک ڈائری میں آپ کی لکھی ہوئی نظمیں اور غزلیں درج تھیں جنہیں راقم الحروف نے اپنی نوٹ بک میں نقل کر لیا تھا۔ کسی پروانے نے پڑھنے کے لئے وہ نوٹ بک لی تو پھر واپس ہی نہیں کی۔ قارئین میں سے کسی صاحب کے پاس اس بیاض کی کاپی ہو تو وہ مہربانی فرما کر ایڈیٹر صاحب یا مجھے ارسال فرما دیں تاکہ قبلہ حضرت کا کلام بھی محفوظ کیا جا سکے۔ آپ کی ایک غزل کے دو شعر اس وقت ذہن میں آ گئے ہیں ایسے لگتا ہے کہ محولہ بالا کیفیت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق ہو گا۔ اس لئے ہدیہ قارئین کئے جاتے ہیں۔

وہ اک شعلہ سا تھا انساں کی صورت
فرشتہ تھا، خدا تھا، یا بشر تھا
اسے جب دیکھ کر دیکھا جہاں کو
نہ تھا کچھ بھی فقط حسن نظر تھا

(منتظر)

مندرجہ بالا کیفیت کے بارے میں آپ نے فرمایا کہ جب میں نے اپنے ایک بزرگ سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے مذاحاً" فرمایا کہ چلو یوں کرتے ہیں کہ اللہ میاں کے انگریزی سوٹ اٹھا کر لے آتے ہیں اور ان کی جگہ پاجامے اور شیروانیاں رکھ آتے ہیں۔ اس پر حاضرین میں سے کسی نے پیار سے پوچھا کہ قبلہ! کیا آپ سوٹ اٹھا کر لے آئے تھے؟ آپ نے مسکرا کر جواب دیا کہ لے آئے تھے لیکن اللہ میاں نے اور سلوا لئے۔

اسلامی تصوف کا مقصد

(حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ)

یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس طرح ہر علم کا کوئی خاص مقصد ہوتا ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے چند متعین طریقے ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح تصوف کے مقصد یعنی ذات باری تعالیٰ کا قرب و عرفان حاصل کرنے کے بھی چند خاص طریقے ہیں۔ ان طریقوں پر عمل کرنے کو "سلوک" کہتے ہیں۔ تصوف دوسرے مذاہب میں بھی ہے لیکن ان کا سلوک اس قدر مشکل ہے کہ اگر کوئی اس پر پوری طرح عمل کرے تو دنیا کا کام کر کے اپنی اور بال بچوں کی ضروریات زندگی حاصل کرنے کے لئے بالکل وقت نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ ان تمام مذاہب میں دنیا کو چھوڑے بغیر کام نہیں بنتا۔ مذہب اسلام کا سلوک ایسا نہیں ہے اس میں سالک دنیا کے سارے کام بوجوہ احسن کرتے ہوئے اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ قاعدے نہایت ہی سادہ اور سہل العمل ہیں۔ مگر سب سے پہلی اور ضروری بات یہ ہے کہ سلوک شروع کرتے وقت انسان اچھا مسلمان ہو' یعنی اس کے عقائد' عبادات اور اعمال قرآن کے مطابق ہوں' وہ نماز' روزے وغیرہ کا پابند ہو' حقوق اللہ اور حقوق العباد کو اچھی طرح پورا کرتا ہو' کبیرہ گناہوں سے بچتا ہو اور اس کا اخلاق اسلامی تعلیم کے معیار پر پورا اترتا ہو' اگر کسی شخص میں یہ سب باتیں نہیں ہیں تو پہلے اس کو ایک اچھا اور پکا مسلمان بننا چاہئے اور پھر سلوک شروع کرنا چاہئے۔

بات دراصل یہ ہے کہ صرف نماز روزہ وغیرہ کی ادائیگی اور امر و نہی کی پابندی سے آدمی پکا مسلمان تو ضرور بن جاتا ہے لیکن ولی اللہ نہیں بن سکتا۔ ورنہ جتنے بھی نمازی مسلمان ہیں آج یہ سب ولی اللہ ہوتے۔ ولی اللہ بننے کے لئے کچھ اور اونچے درجے کی عبادات اور تزکیہ اخلاق کی بہت ضرورت ہے۔ ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں کچھ اعرابی مسلمان ہونے کے لئے حاضر ہوئے۔ جب حضور ﷺ نے ان کو مسلمان کر لیا تو وہ بہت خوش ہوئے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ مبارک ہو ہم ایمان لے آئے۔ اس پر حضور اکرم ﷺ پر وحی نازل ہوئی کہ

قالت الاعراب امنا قل لم تومنوا ولكن قولو آسلمنا لما يدخل الايمان فى قلوبكم

یعنی "اعرابی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے ہو بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں۔ ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا"۔ اس

آیت سے صاف طور پر معلوم ہو گیا کہ پہلے آدمی مسلمان بنتا ہے۔ پھر اس سے آگے ترقی کر کے مومن بنتا ہے اور پھر اس سے بھی زیادہ ترقی کر کے مرتبہ احسان پر فائز ہوتا ہے۔ یعنی ولی اللہ بن جاتا ہے۔ مومن کی پہچان حضور رسول کریم ﷺ نے یہ بتائی ہے کہ جب وہ عبادت کرے تو یوں محسوس کرتا ہے کہ خدا اس کو دیکھ رہا ہے اور مرتبہ احسان کی پہچان یہ بتائی ہے کہ جب وہ عبادت کرے تو یوں محسوس کرتا ہے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے۔ اس حدیث اور متذکرہ صدر آیت سے یہ اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ ولی اللہ بننے کے لئے انسان کو پہلے پکا مسلمان بننا چاہئے۔ اس کے بعد ہی وہ مومن اور آخر میں ولی کامل بن سکتا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ احباب حلقہ بیعت ہونے کے بعد عبادات اور شریعت کے دوسرے احکام پر اچھی طرح عمل کریں۔ جو لوگ ایسا نہیں کریں گے وہ اپنا مقصد حاصل نہ کر سکیں گے۔ البتہ جو لوگ پہلے ہی عبادات و شریعت کے پابند ہوں گے وہ بیعت ہونے کے بعد سلوک کے طریقوں پر عمل کر کے بہت جلد کامیابی حاصل کر سکیں گے۔

اسلامی سلوک میں کوئی دقت یا پیچیدگی مطلق نہیں۔ بلکہ جس طرح اسلام ایک سیدھا اور آسان مذہب ہے اسی طرح اسلام کا سلوک بھی بالکل سادہ اور آسان ہے اس میں دوسرے مذاہب کی طرح نہ تو ترک دنیا لازمی ہے نہ ایسے سخت مجاہدے اور ریاضتیں ہیں جن سے جسم اور نفس کو اذیت پہنچے۔ اس سلوک کے صرف دو حصے ہیں ایک تو ذکر دوسرے تزکیہ اخلاق۔ ذکر میں نماز، تلاوت قرآن بھی شامل ہے۔ لیکن یہ دونوں چیزیں تو ہر مسلمان کرتا ہی ہے سالک کو ان کے علاوہ کچھ اور ذکر بھی کرنا پڑتا ہے وہ ذکر دو طرح کا ہے ایک "پاس انفاس" دوسرا "نفی اثبات" ان دونوں اذکار کی اصل قرآن مجید اور احادیث رسول ؐ سے اخذ کی گئی ہے۔ پاس انفاس تو یہ ہے کہ جب آپ کا دماغ دنیوی امور سے خالی ہو اس وقت ہر سانس سے لفظ اللہ دل میں کہیں۔ نفی اثبات کلمہ طیبہ کا ذکر ہے۔ اس کا طریقہ آپ سب جانتے ہیں اس لئے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

الغرض ان دونوں اذکار میں کوئی بھی ایسا نہیں جو قرآن یا حدیث کے خلاف ہو۔

اسلامی سلوک کی ابتدا اور انتہا اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ مزمل کی ایک چھوٹی سی آیت میں بیان کر دی ہے، فرماتے ہیں

واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا یعنی "اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور سب کو چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ" ظاہر ہے کہ رب ایک صفاتی نام ہے۔ ذاتی نام باری تعالیٰ کا اللہ ہے تو مطلب یہ ہوا کہ لفظ اللہ کا ذکر کیا کرو۔ یہ ذکر کس طرح کیا جائے۔ اس کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتایا ہے۔

فرمایا ہے۔

واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خیفه و دون الجهر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین یعنی "اور اپنے رب کو دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے زبان سے آواز نکالے بغیر صبح اور شام اور غافلوں میں سے نہ ہونا" دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

واذا قضیتم الصلٰوۃ فاذکر الله قیاما وقعودا او علی جنوبهم

یعنی "اور جب تم نماز ختم کر چکو تو اللہ کو یاد کیا کرو۔ اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے ہوئے" ذکر کے متعلق جو اور آیات قرآن مجید میں ہیں اور ان کو اور ان دو آیتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اولیائے کرام نے یہ نتیجہ نکالا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو چوبیس گھنٹے برابر ہی یاد رکھنا چاہئے اور اس یاد سے غفلت کبھی نہیں کرنی چاہئے۔

اب چونکہ ہر کام کا ایک مناسب قاعدہ ہوتا ہے اس لئے انہوں نے اللہ کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کے لئے پاس انفاس کا طریقہ ایجاد کیا۔ یعنی ہر سانس سے جو باہر نکلے یا اندر آئے لفظ اللہ دل میں کہا جائے آواز نکالے بغیر مگر بے خیالی اور بے پروائی سے نہیں بلکہ جب بھی دل اللہ کہے تو محبت کے ساتھ اللہ کا خیال بھی دل میں آئے۔ درحقیقت اس سے بہتر اور کوئی طریقہ اللہ کو ہر وقت یاد رکھنے کا ہے بھی نہیں۔ عام طور پر جس چیز یا جس بات کو یاد رکھنا ہو اس کو کسی ریفرنس یعنی حوالہ یا وسیلہ سے زیادہ آسانی کے ساتھ یاد رکھا جا سکتا ہے۔ لیکن انسان کا حال یہ ہے کہ دن کے چوبیس گھنٹوں میں اس کا ماحول اور کیفیات تھوڑے تھوڑے وقفوں کے بعد برابر بدلتی رہتی ہیں ابھی آپ گھر میں تھے تو پھر کسی میدان یا باغ میں چلے گئے۔ ان متواتر تغیرات کی وجہ سے آپ کسی چیز کو بھی اللہ کی یاد کا وسیلہ نہیں بنا سکتے۔ لیکن آپ کا سانس ایک ایسی چیز ہے جو ہر جگہ اور ہر حال میں یکساں طور پر ہمیشہ آپ کے ساتھ رہتا ہے۔ اس لئے سانس کے علاوہ اور کوئی ایسا وسیلہ نہیں ہو سکتا جس کے ذریعہ سے خدا کو ہمیشہ یاد رکھا جا سکے۔

اسم ذات کا پاس انفاس اگر باقاعدہ اور کچھ مدت تک جم کر کیا جائے تو اس سے پہلا فائدہ جو سالک کو پہنچتا ہے وہ اطمینان قلب کا حصول ہے' اور یہ وہ دولت ہے جس کے لئے تمام علماء و تمام فلاسفر اور تمام ماہران نفسیات دن رات مارے مارے پھرتے ہیں اور نت نئے طریقے سوچتے اور ایجاد کرتے ہیں لیکن کچھ بن نہیں پڑتا۔ لیکن اسم ذات کے پاس انفاس سے یہ دولت بے قیاس

تھوڑے ہی عرصہ میں حاصل ہو جاتی ہے۔ اور کیوں نہ ہو جب کہ اپنے کلام پاک میں اللہ تبارک تعالیٰ نے اطمینان قلب حاصل کرنے کا یہی نسخہ تجویز فرمایا ہے' ارشاد ہوتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب یعنی "بے شک اطمینان قلب اللہ کے ذکر سے ملتا ہے"

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ سالک اپنی منزل مقصود کا راستہ سالوں کی بجائے مہینوں میں طے کرتا چلا جاتا ہے اور تھکتا نہیں۔

تیسرے یہ کہ اسی ذکر سے وہ برقی حرارت قلب میں پیدا ہوتی ہے جس کو روحانی طاقت کہا جاتا ہے اور اسی حرارت سے وہ سرخوشی اور کیف و سرور سالک کو حاصل ہوتا ہے جو دنیوی حرام شراب پینے والوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا۔ ان تمام فوائد کے علاوہ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اسی ذکر کے ذریعہ سے انسان کا تعلق خدا کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور جوں جوں اس ذکر میں پختگی پیدا ہوتی ہے یہ تعلق گہرا اور قوی سے قوی تر ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ حضور رسول کریم ﷺ کے ارشاد کے مطابق آخر کار اللہ تعالیٰ اس سالک کے کان بن جاتا ہے جن سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھیں بن جاتا ہے جن سے وہ دیکھتا ہے' اس کے ہاتھ بن جاتا ہے جن سے وہ کام کرتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس مقام تک پہنچنے کے لئے سالک کو معمولی نماز کے علاوہ کافی وقت نوافل میں بھی گذارنا پڑتا ہے۔ لیکن اصل روح ان نوافل میں بھی اسی ذکر کی ہوتی ہے۔

الغرض اس طرح سالک کو خدا سے ایک قوی نسبت پیدا ہو جاتی ہے اور اب وہ اس قابل ہوتا ہے کہ ذات باری تعالیٰ کا قرب و عرفان حاصل کر سکے لیکن یہ سب کچھ دس پانچ ماہ یا دو چار سال میں نہیں ہو سکتا۔ اس مرتبہ تک پہنچنے کے لئے کافی وقت لگتا ہے ہمارے حلقہ کے جو دوست دو چار سال اللہ اللہ کرنے کے بعد ہی شکایت کرنے لگتے ہیں کہ ابھی تک کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ وہ شاید قرب و عرفان باری تعالیٰ کو مذاق یا دل لگی خیال کرتے ہیں یا کوئی ایسی سستی چیز سمجھتے ہیں جو بازار سے پیسے دے کر خریدی جا سکتی ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر تمام عمر محنت اور اللہ اللہ کرنے کے بعد مرتے وقت بھی یہ مرتبہ حاصل ہو جائے تو گھاٹے کا سودا نہیں ہے۔ کیونکہ روح کا خاصہ یہ ہے کہ جس کی محبت میں اس دنیا سے سفر کرتی ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر آپ کو اس دنیا میں قرب و عرفان یا لقائے باری تعالیٰ حاصل نہ ہو سکے تو مرنے کے بعد تو ضرور یہ سب چیزیں حاصل ہو جائیں گی آپ کو سوچنا چاہئے کہ انسان کا ابدی گھر تو وہی ہے۔ اگر وہاں ایک آدمی اللہ کے مقربین میں ہو تو پھر اس کو اور کیا چاہئے۔

سورہ واقعہ میں ارشاد ہوا ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کے تین گروہ ہوں گے۔ ایک بائیں والے اور ایک دائیں والے اور ایک آگے والے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بائیں والے عذاب میں مبتلا ہوں گے یعنی دوزخی ہوں گے دائیں والے عیش و آرام میں ہوں گے یعنی جنتی ہوں گے آگے والوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کا کیا کہنا۔ وہ تو آگے ہی بڑھنے والے ہیں اور وہی مقرب ہیں۔ تو جو لوگ نیکی یا عبادت محض اللہ کی خوشنودی اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں کسی معاوضے اور بدلے کے خیال سے نہیں کرتے وہی مقربین میں ہوں گے اور یہ اتنی بڑی نعمت اور اتنا بلند مرتبہ ہے کہ کوئی دوسری نعمت اور کوئی دوسرا مرتبہ اس کا پاسنگ بھی نہیں ہو سکتا۔

تو اے برادران حلقہ! میری گذارش آپ سے یہی ہے کہ آپ نیکی کریں تو اللہ کی خوشنودی کے لئے۔ عبادت کریں تو محض اللہ کے لئے اور محبت کریں تو اس کے واسطے۔ آپ کے تمام اعمال و افعال اور جدوجہد کا مقصد وحید یہی ہونا چاہئے کہ آپ کو اللہ کا قرب حاصل ہو۔ جیتے جی ہو جائے تو سبحان اللہ ورنہ مرنے کے بعد تو ضرور ہی یہ دولت میسر آجائے۔ اگر آپ کی یہ خواہش مستقل اور آپ کا ارادہ پکا رہے تو ناممکن ہے کہ آپ کو اپنی محنتوں کا ثمر نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتا۔ یہ تو ہوا ذکر پاس انفاس کا بیان۔ دوسرا ذکر جو ہمارے سلسلہ میں کرنا پڑتا ہے وہ کلمہ لا الہ الا اللہ کا ذکر ہے۔ اس ذکر کو ذکر نفی اثبات اس لئے کہتے ہیں کہ لا الہ کہتے وقت دماغ کو ہر خیال اور وسوسہ سے بالکل خالی کر لیا جاتا ہے اور الا اللہ کہتے وقت صرف اللہ کا خیال دل میں جاگزیں رکھا جاتا ہے۔ یہ ذکر آہستہ آہستہ اور بہتر یہ ہے کہ بالجہر کیا جائے۔ یہ دراصل نفی اور اثبات کی مشق کرانے کے لئے کرایا جاتا ہے۔ اس لئے جب تک ذاکر لا الہ پر دو چار سیکنڈ ٹھہرے گا نہیں نفی کی مشق نہ ہو سکے گی۔ اسی طرح الا اللہ کے بعد جب تک چند سیکنڈ کا وقفہ نہ ہو اثبات کی عادت نہ پڑے گی۔ یہ ذکر بالکل تنہائی میں نہایت جمعیت خاطر کے ساتھ کرنا چاہئے۔ بہت سے آدمیوں کے ساتھ حلقہ ذکر میں بالجہر ذکر کرنا بھی فائدے سے خالی نہیں لیکن اصل فائدہ تنہائی میں آہستہ آہستہ ذکر کرنے سے ہی ہوتا ہے۔ پچھلے خطبوں میں سے کسی ایک میں بتا چکا ہوں کہ جب تک نفی کی مشق کافی نہ ہو عالم روحانی سے دماغ کا تعلق قائم نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نفی کی کیفیت نہ ہو تو انسان کے پانچوں حواس ظاہری اس کا تعلق دنیا اور ماحول سے قائم رکھتے ہیں۔ لیکن نفی کی حالت میں یہ حواس معطل ہو جاتے ہیں اور جب یہ حواس معطل ہو جائیں تو لاشعور بیدار ہو جاتا ہے اور

لاشعور اس مادی دنیا اور روحانی دنیا کے بیچ میں ایک برزخ ہے جب حواس ظاہری معطل اور لاشعور بیدار ہو جاتا ہے تو سالک کا تعلق مادی عالم سے منقطع ہو کر روحانی عالم سے جڑ جاتا ہے نفی کی زیادہ مشق کرنے کے لئے ذکر نفی اثبات کے علاوہ اور اوقات میں بھی کوشش کرنی چاہئے۔ مثلاً" دن میں کسی وقت جب مکمل تنہائی ہو یا رات کو سوتے وقت دماغ سے تمام خیالات نکال کر نفی کی حالت میں کچھ دیر بیٹھے رہنا یا سو جانا بہت مفید ہے۔ مگر نفی کی بہت زیادہ مشق بہت احتیاط سے کرنا چاہئے اور نفی کے وقفوں کو درجہ بدرجہ آہستہ آہستہ بڑھانا چاہئے ورنہ نسیان پیدا ہونے اور بے ہوشی کے دورے پڑنے کا سخت خطرہ ہے جو کسی حالت میں بھی اچھا نہیں ہے۔ کامل نفی کی کیفیت پیدا کر لینا کافی نہیں نفی کی حالت میں کسی خاص شخص یا چیز کا خیال دماغ میں پیدا کر لینا کافی نہیں نفی کی حالت میں کسی خاص شخص یا چیز کا خیال دماغ میں پیدا کرنے اور اس خیال کو مستقلاً" کچھ دیر تک قائم رکھنے کی طاقت و لیاقت کا پیدا کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ یہی صحیح قسم کا ارتکاز خیال ہے اور اسی کو اثبات کہتے ہیں نفی کی مثال اس سفید کاغذ کی سی ہے جو بالکل صاف ہو اور اس پر ایک حرف بھی لکھا ہوا نہ ہو۔

اثبات کی مثال یہ ہے کہ اس سفید کاغذ پر صرف ایک نقطہ لگا دیا جائے یا ایک لفظ لکھ دیا جائے اب جو کوئی اس نقطہ یا لفظ کو دیکھے گا اس کی ساری توجہ اسی کی طرف مرکوز رہے گی اور کسی طرف نہ ہٹ سکے گی۔ اسی طرح جب سالک کو اچھی طرح نفی کرنے کی عادت ہو جائے تو وہ قوت ارادی سے اس نفی کے عالم میں اللہ کا تصور دماغ میں قائم کرے اس طرح تصور کرنے سے سالک کو خدا کے ساتھ جو رابطہ پیدا ہو گا وہ دوسری کسی ترکیب سے نہیں ہو سکتا۔ ایسے تصور کے لئے اکثر احباب حلقہ مجھ سے یہ دریافت کرتے رہتے ہیں کہ اللہ کے تو کوئی ایسا جسم نہیں جس کی مثال دنیا اور ہمارے علم میں موجود ہو۔ پھر ہم اس کا تصور کس طرح کر سکتے ہیں۔ میں ان سوالات کا بہت دفعہ جواب دے چکا ہوں اور اب یہاں بھی بیان کرتا ہوں۔

پہلا طریقہ تو یہ ہے کہ کسی تصور کی ضرورت ہی نہیں۔ صرف اللہ یاد ہو۔ بغیر تصور کے جو لوگ باقاعدہ پاس انفاس کرتے رہے ہوں اور اللہ تعالیٰ کی یاد ان کے دل میں قائم ہو چکی ہو ان کے لئے بغیر تصور کے اللہ کو یاد رکھنا کچھ دشوار نہیں ہے۔ یہ چیز ان کو پہلے ہی سے حاصل ہے۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خلائے محض کا تصور کیا جائے

تیسرا طریقہ یہ ہے کہ لفظ اللہ کا تصور کیا جائے۔ ان میں سے جس طرح بھی اللہ کا اثبات ہو

سکے' کامیابی کے لئے کافی ہے۔

یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا وہ سورہ مزمل کی متذکرۃ الصدر آیت کے پہلے ٹکڑے واذکر اسم ربک کی تشریح ہے وتبتل الیہ تبتیلا کی تفسیر بیان کی جاتی ہے اس کے معنی ہیں کہ سب کو چھوڑ کر اللہ کے ہو جاؤ۔ یہ سلوک کی انتہا ہے۔ بہت سے لوگ اس کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کو چھوڑ کر کہیں تنہائی میں جا بیٹھو اور ساری عمر اللہ اللہ میں بسر کر دو۔ اس طرح ترک دنیا کو رہبانیت کہتے ہیں اور رہبانیت اسلام میں منع ہے اگر اس آیت کا مطلب یہی ہوتا تو حضور اکرم ﷺ بھی ایسا ہی کرتے اور دنیا کو چھوڑ کر کہیں جنگل یا پہاڑوں میں جا بیٹھتے۔ لیکن حضور ﷺ کی سیرت پاک گواہ ہے کہ حضور ﷺ نے دنیا کو کبھی ترک نہیں کیا۔ بلکہ آخری دم تک دنیا کے سارے کام بخوبی انجام دیتے رہے۔ اس لئے اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دنیا کو چھوڑ کر رہبانیت کی زندگی اختیار کرو۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ قلبی و روحانی تعلق تمہارا صرف اللہ سے قائم رہے اور ساتھ ہی دنیا کے سارے کام بھی کرتے رہو۔ حلقہ کے بہت سے احباب مجھ سے پوچھا کرتے ہیں کہ ایک طرف تو آپ کہتے ہیں کہ اہل دنیا کے جتنے حقوق ہیں سب پوری طرح ادا کرو۔ بیوی بچوں' ماں باپ' بہن بھائی' عزیز و اقارب اور ہمسایوں بلکہ تمام مخلوق خدا سے عالمگیر محبت کرو۔ دوسری طرف کہتے ہیں کہ محبت اور دلی تعلق صرف اللہ سے رکھو۔ تو سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ہمارا دلی تعلق ہی کسی سے نہ ہو تو ہم اس سے محبت کس طرح کر سکتے ہیں اور جب محبت ہی نہ ہو تو اس کے حقوق کس طرح ادا کر سکتے ہیں۔

اہل حلقہ کا یہ اعتراض واقعی بہت وقیع ہے اور بظاہر اس کا کوئی جواب نہیں۔ لیکن اس کا صحیح جواب زبانی طور پر دیا جائے تو پھر بھی سمجھ میں نہیں آتا۔ البتہ عمل کر کے دیکھا جائے تو سمجھ میں آ جاتا ہے۔ مجھے اپنے ذاتی اور دوسرے احباب کے تجربہ سے اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ بات بالکل ممکن ہے۔ دراصل محبت کے مدارج ہوتے ہیں۔ ایک آدمی اگر سو آدمیوں سے محبت کرتا ہے تو سب کی محبت برابر نہیں ہو سکتی۔ ہر دو آدمیوں کی محبت میں کچھ نہ کچھ کمی بیشی ضرور ہوتی ہے۔ ایک ماں کے دس بچے ہیں اور وہ سبھی سے محبت کرتی ہے۔ لیکن تمام بچوں سے اس کی محبت برابر نہیں ہوتی بلکہ ہر بچے کے ساتھ اس کی محبت میں دوسروں کی بہ نسبت کسی نہ کسی قدر کمی یا زیادتی ضرور ہوتی ہے۔ کسی بچے کے ساتھ اس کی محبت معمولی ہوتی ہے لیکن کسی سے یہ محبت عشق کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ ماں باپ سب سے چھوٹے بچے سے بہت زیادہ

محبت کرتے ہیں دوسروں سے اتنی محبت نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا کچھ شمار نہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے ہر فرد سے برابر کی محبت نہیں کرتا۔ انبیاء اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ پیارے ہوتے ہیں اس کے بعد صحابہ عظام اور پھر اولیائے کرام وقس علی ہذا بعینہ یہی حال خالق و مخلوق کے ساتھ سالک کی محبت کا ہوتا ہے۔ وہ واقعی مخلوق کے ہر فرد سے محبت کرتا ہے لیکن ہر ایک کے ساتھ اس کی محبت کچھ کم یا زیادہ ہوتی ہے اور یہ کمی بیشی خاص ماحول اور خاص حالات میں ایسوسی ایشن یعنی ربط و ضبط اور معیت و یگانگت کے لحاظ سے ہوا کرتی ہے جو جتنا زیادہ ساتھ رہتا ہے' جتنی زیادہ خدمت کرتا ہے یا ہم خیال ہوتا ہے اس سے اتنی ہی زیادہ محبت ہو جاتی ہے۔ جس کے ساتھ یہ حالات و مواقع جس قدر کم پیش آتے ہیں اس سے اتنی محبت کم ہوتی ہے۔ محبت ہمیشہ اظہار ہمدردی اور خدمت سے ظاہر ہوتی ہے۔ جن لوگوں سے عمر بھر کبھی ملنا ہی نہ ہو ان کے ساتھ محبت کے اظہار کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہوتا یہ ہے کہ دل میں مخلوق خدا خصوصاً نوع انسان کی محبت کا جذبہ ہمیشہ موجزن رہتا ہے جس کا اظہار ملتے جلتے یا کسی کے حالات سنتے وقت برابر ہوتا رہتا ہے۔ ایک طرف تو یہ ہوتا ہے دوسری طرف اللہ کی محبت کی آگ ہر وقت سلگتی رہتی ہے اور جب اس کو اللہ کا خیال آتا ہے یا اللہ کا نام اس کے کان میں پڑتا ہے تو وہ مخلوق کو بھول جاتا ہے اور صرف اللہ کی محبت محسوس ہونے لگتی ہے اور جب اس کو کوئی رنج یا تکلیف ہوتی ہے تو اس کا خیال رنج یا تکلیف پہنچانے والے کی طرف نہیں جاتا بلکہ یہی خیال آتا ہے کہ تکلیف اللہ کی طرف سے ہے۔ جب چوٹ لگتی ہے تو وہ بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ یا اللہ یہ سزا آپ نے مجھے کس جرم کی دی ہے۔ جب اس کو کوئی خوشی ہوتی ہے تو سجدہ شکر بجالاتا ہے اور کہتا ہے کہ یا اللہ میں اس قابل نہ تھا یہ محض آپ کا فضل ہے جب بازاروں اور محفلوں کی چہل پہل کو دیکھتا ہے تو بھی اس کو اللہ ہی یاد آتا ہے۔ باغ میں جاتا ہے ہوا اس کے جسم کو لگتی ہے تو وہ محسوس کرتا ہے کہ خدا ہی اس کو گدگدا رہا ہے۔ جب وہ سبزہ کو لہلہاتا' پرندوں کو چہچہاتا اور پھولوں کو مسکراتا دیکھتا ہے تو ان سب میں بھی اس کو خدا ہی کا حسن جہاں افروز نظر آتا ہے۔ جب مذبح میں جانوروں اور میدان جنگ میں زخمیوں کو تڑپتا اور سسکتا دیکھتا ہے تو وہاں بھی اس کو خدا کا ہاتھ ہی کام کرتا دکھائی دیتا ہے۔ غرض مخلوق کا ہر فرد اس کو خدا کی یاد دلاتا اور خدا سے اس کی آتش الفت کو بھڑکاتا رہتا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ جب وہ مخلوق خدا کی طرف کسی کام کے لئے متوجہ ہوتا ہے تو پوری محبت سے ان کے ساتھ پیش آتا ہے اور جب اور کوئی اس کے سامنے نہیں ہوتا تو اس کا دل و دماغ صرف خدا کے ساتھ مشغول رہتا ہے بقول

مومن کیفیت یہ ہوتی ہے۔

تم میرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

یوں سمجھئے کہ وہ مخلوق سے جو محبت کرتا ہے اس کو اپنے خالق کی نشانی سمجھ کر کرتا ہے اس کے علاوہ سوائے خدا کے نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ کسی قسم کی توقع رکھتا ہے۔ رنج یا خوشی جو کچھ بھی پیش آئے وہ اس کو خدا کا عطیہ اور انعام سمجھتا ہے اور ہر حال میں راضی برضائے الٰہی رہ کر خوش اور مگن رہتا ہے۔

الغرض یہی ہے وہ کیفیت جس کو اصطلاح تصوف میں قطع ماسویٰ اللہ کہتے ہیں اور یہی تفسیر ہے وتبتل الیہ تبتیلا کی۔ اس مقام تک پہنچنے کے بعد امتحانات اور آزمائشیں ختم ہو جاتی ہیں اور انعامات و کرامات کا دور شروع ہوتا ہے۔ یہاں پہنچ کر سالک کو کیا ملتا ہے۔ اس کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں کیونکہ خدا کی نعمتیں بے شمار اور اس کا فضل ایک دریائے ناپیدا کنار ہے۔

یہاں تک جو کچھ بیان ہوا وہ سلوک کی ابتداء اور انتہا کی بابت تھا۔ لیکن ان دونوں کے درمیان بھی بہت کچھ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے دوسری آیتوں میں جابجا فرمایا ہے۔ ان سب آیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص صاحب مرتبہ احسان بننا چاہے تو اس کو عبادت و ذکر کے ساتھ ایک مثالی کردار بھی پیدا کرنا چاہئے جو تزکیہ اخلاق سے پیدا ہوتا ہے اور حق بھی یہی ہے کہ جب تک کسی کا اخلاق قرآن و سنت رسول اکرم ﷺ کے معیار کے مطابق نہ ہو وہ ولی اللہ تو کیا بنے گا اچھا مسلمان بھی نہیں بن سکے گا۔ اس لئے جو کوئی اللہ کا قرب و عرفان حاصل کرنا چاہے اس کے لئے اخلاق کا تزکیہ بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ عبادت اور ذکر، تزکیہ اخلاق بغیر سخت کوشش اور مجاہدے کے بالکل ناممکن ہے کیونکہ پرانی بگڑی ہوئی عادات کو دور کر کے نئی پاک اور صالح عادات پیدا کرنا اگرچہ ممکن نہیں تاہم بہت ہی دشوار بات ہے۔ (بحوالہ چراغ راہ خطبہ نمبر4)

تصوف کیا ہے

(مولانا محمد منظور نعمانی)

5۔ تصوف اور اہل تصوف سے قریب ہونے کے بعد جن چند باتوں کا یقین حاصل ہوا۔ ان میں سے ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی پڑھا لکھا اور کیسا ہی ذہین فطین ہو۔ تصوف سے صحیح واقفیت حاصل کرنے اور اس کے مالہ و ماعلیہ کو علی وجہ البصیرت جاننے کے لئے اس کو بھی اس کی ضرورت ہے کہ تصوف کی حامل کسی شخصیت کی صحبت اور خدمت میں اس کا کچھ وقت گزرے اور اس شعبہ کا عملی تجربہ حاصل کرنے پر بھی وہ زندگی کے کچھ دن صرف کرے' اس کے بغیر تصوف کو پوری طرح سمجھا اور جانا نہیں جا سکتا۔

جن صاحب ارشاد بزرگ کی خانقاہ میں اپنی حاضری کا ذکر گزشتہ صفحات میں راقم سطور کر چکا ہے۔ ایک موقع پر میرے ہی ایک سوال کے جواب میں موصوف نے اس حقیقت کو ان لفظوں میں ادا فرمایا تھا۔

"گھر کے اندر کی چیزوں کا پورا علم تو گھر میں داخل ہو کر ہی حاصل کیا جا سکتا ہے"

الغرض تھوڑے سے ہی تجربے سے ارباب تصوف و سلوک کے اس مشہور مقولہ کی تصدیق حاصل ہو گئی کہ من لم یذق لم یدر "یعنی لذت ایں مے نہ شناسی بخدا تانہ چشی" کچھ دن ہوئے ایک بڑے اچھے ذی علم اور ذہین' صاحب قلم دوست کی ایک تحریر کے مطالعہ کا اتفاق ہوا تھا جس میں وہ تصوف پر اظہار خیال کر رہا تھا۔ کم از کم ناچیز کو تو ایسا کچھ محسوس ہوا کہ کوئی بڑا ذہین بچہ کسی ایسے موضوع پر اظہار خیال کر رہا ہے' جس کے مبادی سے بھی واقفیت حاصل کرنے کا اس کو موقع نہیں ملا ہے' مگر پھر بھی اس کی ذہانت قابل داد ہے۔

6۔ تصوف اور اس کے بعض حلقوں کے اس چند روزہ ہی قرب و تعلق سے یہ بھی اندازہ ہوا کہ جس طرح دین کے دوسرے شعبے کی طرف اچھی صلاحیتیں رکھنے والے افراد فی زمانہ بہت کم متوجہ ہوتے ہیں۔ مثلاً" دیکھا جا رہا ہے کہ علم دین کے طالبوں اور علی ہذا دین کی دعوت و خدمت کی طرف متوجہ کرنے والوں میں بہت بڑی تعداد آج کل ان ہی بے چاروں کی ہوتی ہے جو صلاحیتوں کے لحاظ سے بہت ادنی اور پست درجہ کے ہوتے ہیں۔ بالکل یہی بلکہ شاید دین کے دوسرے شعبوں سے زیادہ افسوسناک اور ابتر حال اس لحاظ سے دین کے اس شعبہ (تصوف) کا بھی ہے اس وقت ان "خانقاہوں" سے بحث نہیں' جو دراصل دھوکہ فریب کی دکانیں ہیں اور جہاں اولیاء اللہ کے نام پر

شرک و بدعت کا کاروبار ہوتا ہے اور نہ یہاں ان نااہل موروثی سجادہ نشینوں اور پیشہ ور پیروں' صوفیوں کا ذکر ہے جو تصوف کے نام اور بزرگوں کی نسبت کی تجارت کرتے ہیں' بلکہ جو واقعی مشائخ حق اور صاحب ارشاد ہیں۔ ان کے پاس بھی جو طالب بن کر اب آتے ہیں۔ دیکھا جاتا ہے کہ "شاذو نادر مثالوں کو مستثنیٰ کرکے) دل و دماغ کی صلاحیتوں کے لحاظ سے وہ بے چارے عموماً" نیچی ہی سطح کے ہوتے ہیں اور اگرچہ اپنے اخلاص اور اپنی صادق طلب اور محنت سے ان میں سے بھی بہت سے اس شعبہ کی کچھ برکتیں ضرور حاصل کرلیتے ہیں۔ لیکن ظاہربات ہے کہ وہ بے چارے خانقاہی فیضان و تربیت کا ایسا نمونہ تو نہیں بن سکتے ہیں جن کا حال اور قال خانقاہیت کی بدنامی اور تصوف و روحانیت بیزاری کے اس دور میں دین کے اس شعبہ کی اہمیت اور افادیت تسلیم کرنے پر لوگوں کو مجبور کردے۔

اصولی بات ہے کہ جو کام جتنا زیادہ بلند اور لطیف و نازک ہو اس کے کرنیوالے بھی اسی درجہ کے ہونے چاہئیں۔ موجودہ دور میں تصوف کی ناکامی اور بدنامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ جو اسکے اہل ہیں وہ توجہ نہیں کرتے اور جو بے چارے توجہ کرتے ہیں عموماً" ان کی صلاحیتیں معمولی ہوتی ہیں لیکن دنیا ان ہی کو پھل سمجھ کراصل درخت کے متعلق رائے قائم کرتی ہے۔

7۔ اس موقع پر ایک چیز خود مشائخ کرام کے متعلق بھی ناظرین سے بے تکلف عرض کرنا ضروری ہے جس طرح دنیا میں آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ جو کامیاب وکیل ہو' وہ اچھا ڈاکٹر بھی ہو اور جو بالغ النظر فلسفی ہو وہ سیاسیات یا معاشیات کا ماہر بھی ہو اور جو ماہر فن انجنیر ہو وہ اچھا ادیب اور شاعر بھی ہو۔ بعینہ یہی حال دین کے مختلف شعبوں کا بھی ہے' بالکل ضروری نہیں کہ جو شخص وسیع النظر عالم اور بلند پایہ محدث یا فقیہ ہو وہ تصوف میں بھی خاص دستگاہ رکھتا ہو یا جو صاحب قلب صوفی اور عارف ہو۔ وہ اسلامی قانون کا ماہر بھی ہو اور عہد حاضر کے اہم مسائل کے بارہ میں دینی نقطہ نظر سے صحیح رائے قائم کرنے والی مجتہدانہ فکر و بصیرت بھی رکھتا ہو۔ بلکہ حقائق اور واقعات کی اس دنیا میں پہلے بھی اکثر ایسا ہی ہوا ہے اور ہمارے اس زمانہ میں تو تقریباً" 90 ' 95 فیصد ایسا ہی ہے کہ جو کسی ایک شعبہ میں ماہر اور کامل ہوتا ہے وہ دوسرے شعبوں میں اکثر خام ہی ہوتا ہے اس لئے اس زمانہ میں ایسے لوگ اکثر مایوس اور محروم ہی رہتے ہیں جو صرف کسی ایسے ہی شخص سے استفادہ کرنا چاہتے ہوں جو ان کے مفروضہ معیار کے مطابق ہر جہت سے کامل مکمل ہو۔

یاد آتا ہے راقم سطور نے اپنے ایک محترم دوست سے اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ایک دفعہ عرض کیا تھا۔

"آپ ماضی اور حال کے متعدد ایسے حضرات سے یقیناً واقف ہیں جن کی زندگی آپ کی نظر میں دین اور تقویٰ کا کوئی اچھا اور قابل تقلید نمونہ نہیں ہے اور بالخصوص اخلاص و احسان اور توکل و تسلیم جیسی اعلیٰ ایمانی صفات و کیفیات میں آپ کے نزدیک ان حضرات کا کوئی بھی خاص یا عام مقام نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود ان کا علم و فکر اور ان کی خداداد ذہانت اور بصیرت آپ کے خیال میں قابل استفادہ ہے اور ہم آپ ان کی چیزوں سے برابر استفادہ کرتے ہیں اور ان لوگوں کو غلطی پر سمجھتے ہیں جو صرف ان کے علمی اور تحقیقی کوششوں سے اس لئے فائدہ نہیں اٹھاتے کہ وہ ان کی نیک خواہش کے مطابق کوئی بڑے بزرگ اور صوفی قسم کے آدمی نہیں ہیں۔ اسی طرح ہم اللہ کے کچھ بندوں کو ایسا پاتے ہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی میں تصوف اور سلوک پر زیادہ توجہ دی اور کسی شیخ کامل کی رہنمائی اور نگرانی میں اپنے وقت اور اپنی قوتوں کا بڑا حصہ اس شعبہ کی تحصیل اور تکمیل پر صرف کیا اور اس لئے اس میں انہیں اختصاص اور امتیاز کا مقام حاصل ہو گیا۔ لیکن کسی دوسرے شعبے میں مثلاً علم و فکر ہی میں ہم دیکھتے ہیں کہ انہیں کوئی خاص بلندی حاصل نہیں ہے اور اس لئے دین کی بعض ضرورتوں کو جن کو ہم بہت اہم سمجھتے ہیں، وہ اچھی طرح محسوس بھی نہیں کرتے اور ملت کے مشکل اور اہم اجتماعی مسائل میں وہ بہتر رہنمائی نہیں کر سکتے یا فرض کیجئے کہ مطالعہ یا غور و توجہ کی کمی کی وجہ سے وہ وقت کے بہت سے اہم معاملات کو صحیح طور پر سمجھتے بھی نہیں تو ان خامیوں کو دیکھ کر ان کے اس کمال کی بھی نفی کرنا جو واقع میں ان کو حاصل ہے اور اپنی احتیاج کے باوجود اس شعبہ میں بھی ان سے ہمارا استفادہ نہ کرنا ان ہی لوگوں کی جیسی عامیانہ غلطی ہے جن کو تنگ نظری اور تاریک خیالی کا مریض سمجھا جاتا ہے"

اس میں شک نہیں کہ جی تو اپنا بھی یہی چاہتا ہے اور ہر اچھا بھلا آدمی یہی چاہے گا کہ جو شیخ خانقاہ اور عارف حق آگاہ ہو وہ بلند پایہ مفسر و محدث اور بالغ النظر فقیہ و مجتہد بھی ہو، بلکہ ساتھ ہی ملت کی قیادت اور امامت کبریٰ کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی بھی پوری صلاحیتیں رکھتا ہو اور اسی طرح جو اچھی نظر و فکر رکھنے والا عالم دین ہو وہ اسلامی شریعت و قانون میں مہارت رکھنے کے علاوہ امت کی قیادت اور حکومت کے نظام کو چلانے کی اعلیٰ صلاحیت بھی رکھتا ہو اور مزید براں اپنے قلب و باطن کے لحاظ سے اپنے دور کا جنید و بایزید بھی ہو لیکن یہ تو صرف ہمارے جی کی چاہت اور

ایک خوشگوار تمنا ہوئی اور یہ دنیا جس میں ہم رہتے ہیں وہ خیالات اور تمناؤں کی دنیا نہیں ہے بلکہ حقائق و واقعات کی دنیا ہے اور عملی آدمی کو اپنا طرز عمل واقعات ہی کی اس دنیا کو سامنے رکھ کر متعین کرنا چاہیئے۔

جن صاحب خانقاہ بزرگ کی خدمت میں اپنی حاضری کا ذکر راقم سطور نے گزشتہ صفحات میں کیا ہے' ان ہی کی زبان سے کئی بار یہ حکیمانہ ارشاد سنا ہے۔

"یہ وہ زمانہ نہیں ہے کہ کسی ایک ہی دکان پر سب سودے اچھے مل سکیں' اس لئے جو سودا جس دکان پر اچھا ملے اس کے لئے آدمی کو اسی دکان پر جانا چاہیئے"

یہاں تک کہ جو کچھ عرض کیا اس میں راقم کا روئے سخن تصوف کے مخلص ناقدین اور منکرین کی طرف تھا۔ اب اپنے تجربہ ہی کے چند طریقے اور چند تاثرات تصوف کے حاملوں سے بھی عرض کرنے ہیں۔

8۔ تصوف کے مقصد اور اس کی حیثیت کے متعلق جو کچھ پہلے عرض کیا ہے اگرچہ خود اپنے کو بحمد اللہ اس میں شک نہیں رہا ہے کہ اصلیت وہی ہے لیکن بعض مشائخ حق اور ان کی خانقاہوں سے طلب اور عقیدت کا تعلق رکھنے والوں میں بھی بہت سے ایسے لوگ ملتے ہیں جن کا ذہن اس بارے میں صاف نہیں ہوتا اور وہ طرح طرح کی غلط خیالیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً" تصوف کے جن اعمال و اشغال کی حیثیت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ بعض کیفیات پیدا کرنے کا وہ ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔ خانقاہی حلقوں میں بکثرت ایسے لوگ ملتے ہیں جو ان اعمال و اشغال ہی کو گویا اصل سلوک سمجھتے ہیں۔ اسی طرح ان اعمال و اشغال اذکار کے بعض وہ آثار جن کے متعلق تمام مشائخ محققین یہ فرماتے ہیں "ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے بلکہ یہ ایک طرح کے ادہام و خیالات ہیں"

تصوف کے ہمارے حلقوں میں تعلق رکھنے والنے بہت سے حضرات ان ہی کی طلب میں الجھے ہوئے ملتے ہیں۔ اسی طرح اور بھی بہت سی غلطیاں اور الجھنیں ہیں جن میں خانقاہی طالبین بکثرت مبتلا ہیں۔ غالباً" اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے بعض بزرگ ذہنوں کی صفائی کی طرف پوری توجہ نہیں فرماتے' حالانکہ یہ بڑے اہم درجے کی ضرورت ہے اور اس ناچیز کا خیال ہے کہ سلوک و طریقت کے جن حلقوں میں پہلے بھی گمراہیوں نے جگہ پائی ہے وہ بعض ایسے بزرگوں کی اسی قسم کی بے توجہی کا نتیجہ ہے جو خود ہمارے نزدیک ان گمراہیوں میں مبتلا نہ تھے۔ تصوف کی ساخت ہی کچھ ایسی ہے کہ مشائخ اگر پوری طرح چوکنے نہ رہیں اور اپنے طالبین اور معتقدین کے ذہنوں کی صفائی اور خیالات کی

اصلاح کی فکر نہ رکھیں تو شیطان کی گمراہ کرنے والی کوششیں اس حلقے میں بڑے آسانی سے کامیاب ہو سکتی ہیں۔ بہر حال ہمارے بزرگوں کو اس خطرے سے غفلت نہیں برتنی چاہئے اور اذہان و خیالات کی صفائی اور اصلاح کو ذکر و شغل سے بھی مقدم سمجھنا چاہئے۔

9۔ ائمہ تصوف امام ربانی اور حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہ نے اس پر بڑا زور دیا ہے کہ طالب کو پہلے ضروری عقائد کی تصحیح اور بقدر ضرورت علم دین حاصل کرنا چاہئے اور اس کو شیخ کے فرائض میں گردانا ہے کہ وہ اگر طالب اور مرید میں یہ کمی دیکھے تو اس کو اس طرف متوجہ کرے۔ لیکن بعض مشائخ کے یہاں اس ذمہ داری کا احساس اور اس کے عملی اہتمام میں بہت کمی دیکھنے میں آئی۔ بہت سے بیچارے سیدھے سادے ایسے بندے ان کی خدمت میں بیعت کے لئے آتے ہیں جن کی باتوں سے اور جن کے ظاہری حال سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان بے چاروں کو دین کی وہ ضروری اور بنیادی باتیں بھی معلوم نہیں جو ہر مسلمان کو معلوم ہونا چاہئیں اور بہت واضح اندازہ اس بات کا ہوتا ہے کہ غالباً" ان کو صحیح نماز پڑھنا بھی نہ آتا ہو گا۔ لیکن کبھی کبھی دیکھا گیا ہے کہ ایسوں کو بھی مشائخ کے عام طریقے پر تجدید ایمان اور توبہ کرا کے بس بیعت کر لیا گیا اور پڑھنے کے لئے کوئی تسبیح ان کو بتا دی گئی اور بقدر ضرورت دین سیکھنے کی طرف نہ کوئی توجہ دلائی گئی اور نہ اس کا کوئی انتظام فرمایا گیا۔ حالانکہ ان حضرات کے لئے یہ بہت آسان ہے کہ ایسے جو لوگ بھی ان کے پاس آئیں ان کو دو، چار دن کے لئے روک کر ان کی ضروری تعلیم (عقائد اور نماز کی تصحیح وغیرہ) کسی خادم کے سپرد کر دی جائے۔ جیسا کہ نئے آنے والوں کے متعلق رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دستور تھا۔

ممکن ہے کہ ان بزرگوں کی بے توجہی کا سبب یہ ہو کہ ان آنیوالوں کی اس درجہ جہالت اور دین کی بنیادی چیزوں سے بھی اتنی ناواقفیت کا ان حضرات کو اندازہ نہ ہوتا ہو، لیکن عرض یہی کرنا ہے کہ اس طرف ان حضرات کی توجہ کا مبذول نہ ہونا اور اس پہلو پر نظر نہ کرنا۔ ان کے ذمہ دارانہ منصب کے شایان شان نہیں۔

10۔ تصوف کی تاریخ پر جن حضرات کی نظر ہے ان سے یہ بات مخفی نہ ہو گی کہ مختلف زمانوں میں اس راہ سے کیسی کیسی گمراہیاں امت میں داخل ہوئی ہیں اور آج بھی اپنے کو تصوف و صوفیاء کی طرف منسوب کرنیوالوں میں کتنی بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کے تصورات اور اعمال، اسلام اور توحید کی نسبت کفر اور شرک سے زیادہ قریب ہیں۔ اللہ نے جنہیں واقفیت اور بصیرت دی ہے وہ جانتے ہیں کہ خانقاہی حلقوں میں اس قسم کی گمراہیاں زیادہ تر بزرگوں کے ساتھ عقیدت

اور خوش اعتقادی میں غلو اور تعظیم میں افراط سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے شریعت و سنت کے حامل اور اپنی دینی ذمہ داریوں کو محسوس کرنے والے مشائخ حق کا یہ خاص الخاص فریضہ ہے کہ وہ اپنے سے تعلق و محبت رکھنے والوں کو اعتقادی اور عملی غلو اور افراط کی اس بیماری سے محفوظ رکھنے کی طرف ہمیشہ پوری بیداری کے ساتھ متوجہ رہیں اور اس معاملہ میں ہرگز تساہل سے کام نہ لیں۔ رسول اللہ ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے بزرگوں کے سامنے رہنا چاہئے۔

حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ کسی صحابی کی زبان سے نکل گیا "ماشاء اللہ و شئت" (یعنی جو اللہ چاہے اور جو آپ چاہیں) حضور ﷺ نے ان کو سخت تنبیہ کی اور فرمایا۔

جعلتنی للہ ندابل ماشاء اللہ وحدہ

"تو نے مجھے اللہ کے برابر بنا دیا' بلکہ یہ کہو کہ "جو تنہا خدا چاہے"

ایسے ہی ایک اور موقع پر بعض صحابہ کو تنبیہ کرتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔

لا یستھوینکم الشیطان انا محمد بن عبداللہ عبداللہ و رسولہ ما احب ان ترفعونی فوق منزلتی التی انزلنی اللہ

"لوگو! تمہیں شیطان گمراہ نہ کرے اور تم اس کے بہکائے بہک نہ جاؤ میں عبداللہ کا بیٹا محمد ہوں' اللہ کا بندہ اور بس اسکا رسول ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے اس درجہ سے اوپر اٹھاؤ جہاں خدا نے مجھے رکھا ہے"

اس بارے میں رسول اللہ ﷺ کی نظر کتنی باریک بین تھی اور آپ کس قدر محتاط تھے' اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے جو صحاح میں مروی ہے کہ جس روز آپ کے صاحبزادے "ابراہیم" (علی ابیہ وعلیہ الصلوۃ والسلام) کی وفات ہوئی۔ اتفاق سے اسی روز سورج کو گہن لگ گیا اور آپ کو شبہ ہوا کہ لوگ کہیں اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ سورج کو گہن بیت نبوی ﷺ کے اس حادثہ کی وجہ سے لگا ہے' تو آپ نے اسی وقت اعلان کرا کے لوگوں کو مسجد میں جمع کرایا اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد اعلان فرمایا۔

ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ لا ینکسفان لموت احد ولا لحیاتہ (الخ)

"چاند اور سورج اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں' کسی کی موت و حیات سے ان کو گہن نہیں لگتا (بلکہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے حساب کے مطابق اور اس کے حکم سے ایسا ہوتا ہے" (الخ)

پیکی راڈرک (ہندوستان)

(ڈاکٹر عبدالغنی فاروق)

میں ہندوستان میں برطانوی راج کے دوران ایک اینگلو انڈین خاندان میں پیدا ہوا۔ میں نے ابتدائی تعلیم ایک مشن اسکول میں حاصل کی جہاں مذہب پر بطور خاص توجہ دی جاتی تھی۔ میں مسیح علیہ السلام کی زندگی سے بہت متاثر ہوا' مگر ابتداء ہی سے مجھے احساس ہونے لگا کہ انجیل کی تعلیمات انسانی فطرت اور حقیقت کے برخلاف ہیں۔ چنانچہ اگر ہم انہیں بروئے کار لائیں تو انسانی تہذیب کا جنازہ نکل جائے اس ضمن میں ذیل کی مثالیں ملاحظہ فرمایئے۔

"اگر کوئی میرے پاس آئے اور اپنے آپ اور ماں اور بیوی اور بچوں اور بھائیوں اور بہنوں بلکہ اپنی جان سے بھی دشمنی نہ کرے تو میرا شاگرد نہیں ہو سکتا" (لوقا 14۔23)

"پس اسی طرح تم میں سے جو کوئی اپنا سب کچھ ترک نہ کرے وہ میرا شاگرد نہیں ہو سکتا" (لوقا 14۔23)

"کیونکہ بعض خوجے! ایسے ہیں جو ماں کے پیٹ ہی سے ایسے پیدا ہوئے اور بعض خوجے ایسے ہیں جن کو آدمیوں نے خوجہ بنایا اور بعض خوجے ایسے ہیں جنہوں نے آسمان کی بادشاہی کے لئے اپنے آپ کو خوجہ بنایا جو قبول کر سکتا ہے وہ قبول کرے" (متی 19۔12)

"لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ شریر کا مقابلہ نہ کرو بلکہ جو کوئی تیرے دہنے گال پر طمانچہ مارے دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتہ لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے اس کے ساتھ دو کوس چلا جا" (متی 5۔29۔41)

ظاہر ہے یہ تعلیمات یا تو خانقاہوں میں رہنے والے راہبوں کے لئے ہو سکتی ہیں یا تارک الدنیا صوفیوں کے لئے' روزمرہ کی زندگی سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی مرد یا عورت اپنے معمولات میں ان کی اتباع کر سکتا ہے۔ چنانچہ عہد حاضر میں اگر کوئی حکومت ان "اصولوں" کے مطابق قانون سازی کرے اور افراد اپنی زندگی میں ان پر عمل کریں تو ہر طرف لاقانونیت اور افراتفری کا سماں پیدا ہو جائے گا۔

دوسری چیز جس پر مجھے کسی طرح اطمینان نہیں ہوتا تھا وہ عیسائیت میں مذہب اور سیاست کی تفریق ہے۔ اسی نظریئے نے یورپ میں میکاویلین نقطہ نظر (دھونس' دھاندلی اور دھوکے کی سیاست) پیدا کیا۔ بائبل کے مطابق یسوع مسیح نے کہا تھا۔

"یہ نہ سمجھو کہ میں دنیا میں صلح کرانے آیا ہوں صلح کرانے نہیں بلکہ تلوار چلوانے آیا ہوں" (متی 10-34)

چنانچہ اس نے اپنے شاگردوں کو ہدایت کی۔

"جس کے پاس تلوار نہ ہو وہ اپنی پوشاک بیچ کر تلوار خریدے" (لوقا 22-36)

مگر خرابی یہ ہوئی کہ عیسائیوں کو تلوار کا جائز استعمال نہ سکھایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت مسیح کے پیروکاروں کے ہاتھ میں ہمیشہ ہی تلوار نظر آتی ہے۔ یہی تلوار تھی جس کا صلیبی جنگوں میں بار بار استعمال کیا گیا اور غیر مسیحی علاقوں میں بے گناہ انسانوں کو بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتارا گیا۔ یہاں تک کہ ایک مسیحی فرقے نے دوسرے مسیحی فرقے کا بے دریغ قتل عام کیا۔ پھر سامراجی طاقتوں نے بھی چرچ کی مقدس اشیرباد کے ساتھ تلوار اٹھائی اور ایشیا اور افریقہ میں قتل و غارت گری اور ہمہ نوع استحصال کی حد کر دی حتی کہ نیوزی لینڈ' آسٹریلیا اور شمالی امریکہ کے قدیم باشندوں کو بالکل ہی ملیامیٹ کر دیا۔ میری زندگی میں فیصلہ کن موڑ اس وقت آیا جب 1945ء میں امریکیوں نے جاپان کے شہر ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے۔ لاکھوں کی تعداد میں مرد عورتیں اور بچے لقمہ اجل بن گئے۔ جب کہ ان گنت تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو بدقسمتی سے موت کے منہ سے بچ گئے تھے مگر ناقابل تصور اذیتوں اور عقوبتوں میں مبتلا ہو کر رہ گئے تھے۔ میرا دل خوف سے بھر گیا اور اس وقوعہ کے بعد میں کئی راتوں تک اطمینان کی نیند نہ سو سکا۔ پھر جب میں نے پڑھا کہ امریکی فوجیوں نے جاپان میں کیا کہرام مچایا ہے تو مجھے شدید نفرت کے احساس نے گھیر لیا اور اس وقت تو میرے جذبات میں آگ لگ گئی جب میں نے سنا کہ جنرل میکارتھر کی سرپرستی میں عیسائی پادریوں کے غول جاپانی جزیروں پر اتر آئے ہیں تاکہ مقامی باشندوں کے ضمیر خرید کر انہیں عیسائی بنائیں اور ان سے جاسوسی کا کام لے سکیں۔ سامراجی طاقتوں کی ہمیشہ سے یہی چال رہی ہے وہ لالچ دے کر مقامی لوگوں میں سے ایک طبقے کو عیسائی بناتے ہیں اور پھر یہ طبقہ اپنی قوم سے غداری کر کے سفید فام آقاؤں کی حاشیہ برداری کرتا ہے۔

جب میں کالج میں پڑھتا تھا تو مختلف عقیدوں کے مردوں اور عورتوں سے میرا تعارف تھا۔ مجھے بتایا گیا کہ تمام غیر عیسائی لوگ کافر اور گمراہ ہیں مگر میں ان لوگوں کے قریب آیا اور غور سے ان کے رہن سہن اور نظریات کا مطالعہ کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ کافر لوگ اور غلط مذاہب عیسائیوں اور عیسائیت کے مقابلے میں کہیں زیادہ رواداری' مروت اور احترام انسانیت کے قائل ہیں۔ میرے دل میں ان مذاہب کے لئے خوشگوار جذبات پیدا ہونے لگے۔ خصوصاً" ایک مسلمان میرا بہت گہرا دوست تھا۔ اس نے مجھے اپنے عقیدے کے بارے میں ضروری تفصیلات بتائیں تو میں نے بہت جلد یہ نتیجہ اخذ کر لیا کہ عیسائیت کے مقابلے میں اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو انسانی فطرت اور عقل کو مطمئن کرتا ہے۔ خاص طور پر اسلام میں توحید کا مسئلہ تثلیث کی نسبت عقل و شعور کے ذریعے خدا سے جوڑتا ہے اور یہ عین عقلی بات نظر آتی

ہے مگر عیسائی ہر دو سرے مذہب کو کفر سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسلام کی اخلاقی تعلیمات مثالی نوعیت کی ہیں جن کو اختیار کر کے ایک انسان بھرپور قسم کی دنیاوی زندگی گزارنے کے باوجود اللہ کے قریب بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں مذہب اور سیاست میں کوئی فرق نہیں چنانچہ وہ اصول جو ایک انسان اپنی انفرادی زندگی میں بجا لاتا ہے انہی کو ایک حکومت عوام سے معاملہ کرتے ہوئے بروئے کار لائے گی اور وہی اصول ایک ریاست کو دوسری ریاستوں سے تعلقات استوار کرتے وقت کام دیں گے۔ اس طرح اسلام میں کسی بے انصافی یا استحصال کی کوئی گنجائش نہیں نہ نو آبادیاتی نظام، سامراجیت، طبقاتی کشمکش یا غیر منصفانہ اور جارحانہ جنگوں کی کہیں اجازت ہے۔ ظاہر ہے جب تک بنی نوع انسان ایک ہی جامع اور منصفانہ نظام کے تحت نہیں آ جاتے، دفاع کی ضرورت اور افادیت اپنی جگہ برقرار رہے گی، مگر اسلام کے قانون صلح و جنگ عین فطری اور انسانی مفاد میں ہیں۔

اسلام کا نظریہ جہاد عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور نہتوں کی حفاظت کرتا ہے۔ یہاں ہسپتالوں، اسکولوں، عبادت گاہوں اور رہائشی مکانوں پر بمباری کی کہیں گنجائش نہیں۔ اسلام صرف انسان کو انسان کی غلامی سے نجات دینے کے لئے لڑتا ہے یا پھر اس وقت تلوار اٹھاتا ہے جب تبلیغ دین کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کی جائیں یا دشمن جارحیت پر اتر آئیں۔ مگر یہاں کسی غیر مسلم کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا نہ وہ کسی سامراجی کے مظلوم و بے سہارا عوام پر ظلم و ستم کو برداشت کرتا ہے۔ مسلمان ہر وقت جنگ بندی اور صلح پر تیار رہتا ہے خواہ دشمن اس بہانے انہیں دھوکا ہی کیوں نہ دے رہا ہو۔ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے اسلام میں سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ خلق خدا کی خدمت کی جائے اور ان کی مشکلات کا مداوا کیا جائے چنانچہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ کون سا عمل سب سے اچھا ہے تو آپ ؐ نے فرمایا "کسی انسان کا دل خوش کر دینا" بھوکے کو کھانا کھلانا، مظلوم کی دادرسی کرنا، کسی پریشان حال کا دکھ بانٹ لینا اور کسی زخمی کا علاج و معالجہ کر دینا"

میں اسلام کے نظریہ اخوت سے بے حد متاثر ہوا ہوں جو رنگ، نسل اور قبیلے کے امتیازات سے بلند ہو کر سب کو اپنی آغوش میں لے لیتا ہے۔ اسلام میں سب لوگ برابر ہیں اور مساوات کا یہ عمل بین الاقوامی اور عالمگیر ہے۔ اسلام نے عملی طور پر انسانوں کے درمیان حائل خلیجوں کو پاٹ دیا ہے اور صحیح معنوں میں بنی نوع انسان کو خدا کا کنبہ بنا دیا ہے۔ جیسا کہ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا

"اللہ کی ساری مخلوقات اس کا کنبہ ہے اور خدا کا وہی سب سے زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ بھلائی سے پیش آتا ہے"

(بشکریہ ہم کیوں مسلمان ہوئے)

اقبال اور فقر مومن

(عبدالرشید ساہی)

لغوی معنوں میں فقر سے مراد تنگدستی، غریبی اور مفلسی ہے قرآن کریم میں کلمات فقر، فقیر، فقراء بارہا آئے ہیں مثال کے طور پر

الشیطن یعدکم الفقرو یامرکم بالفحشاء (شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور بڑی بدی کا حکم دیتا ہے۔

یاایھا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ھوالغنی الحمید (اے لوگو تم اللہ کے محتاج ہو اللہ تو بے نیاز اور جملہ خوبیوں کا مالک ہے"

اسی طرح بعض ایسے اقوال ہیں جو رسول خدا ﷺ سے منسوب کئے جاتے ہیں مثال کے طور پر کادالفقران یکون کفرا (فقر کفر سے دور نہیں) اور یہ اس لئے کہ عالم تنگدستی اور افلاس میں آدمی کے فکری اور عملی طور پر بے راہ ہو جانے کا بڑا قریبی امکان ہے اس کی خود اعتمادی ہی کو دھکا نہیں لگتا بلکہ وہ اپنے اعتقاد کی پٹڑی سے بھی اتر جاتا ہے۔ میر تقی میر نے کہا تھا۔

تیرے خیال میں جیسے خیال مفلس کا
گئی ہے فکر پریشاں کہاں کہاں میری

تاہم اس امر کا خیال بھی نہایت ضروری ہے کہ رسول اکرم ﷺ سے ایک قول بھی منسوب ہے الفقر فخری "فقر میرے لئے وجہ افتخار ہے" ایک بات تو عیاں ہے کہ آپ ﷺ ایسے فقر کو اپنا افتخار قرار نہ دے سکتے تھے جس کے ڈانڈے کفر سے ملتے ہیں چنانچہ اس فقر کا مفہوم یہ ہے کہ آپؐ نے تمول اور عیش و آسائش کی روش حیات کو پسند نہ فرمایا اور اس کے مقابل درویشانہ سادگی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا یہ آپ ﷺ کا اپنا انتخاب تھا ظاہر ہے کہ آپ نے کبھی دولت جمع نہ کی یہاں تک کہ ساری عمر آپ پر زکوۃ ادا کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں فقیر کی شان کے شایان یہ ہے کہ وہ اپنے فقر سے اتنی ہی محبت کرے جتنی کہ کوئی دولت

مند اپنی دولت سے کرتا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ فقیر اپنے فقر کو نقصان اور زوال سے محفوظ رکھے' علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

فقر چیست اے بندگان آب و گل
یک نگاہ راہ بیں یک زندہ دل
فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا ست
ما امینیم ایں متاع مصطفیٰؐ ست

ایک اور قول رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہے "امیری مال و دولت کی کثرت کا نام نہیں امیری دل کی امیری ہے اس امر پر حضرت علیؓ کا ارشاد ذیل مزید روشنی ڈالتا ہے آپ فرماتے ہیں۔ "خدا اپنی مخلوق کے لئے فقر کو انعام بھی بنا دیتا ہے اور سزا بھی' اس کی انعامی صورت میں آدمی خوش خلق اور خدا ترس ہوتا ہے وہ اپنی حالت کی شکایت نہیں کرتا اور خدا کا شکر گزار رہتا ہے مگر دوسری طرف اس کی سزا کی صورت میں آدمی بد خلق ہو جاتا ہے' خدا کی نافرمانی کرتا ہے اپنے احوال کی اکثر شکایت کرتا ہے اور قضا سے برہم رہتا ہے" چنانچہ علامہ اقبالؒ کے کلام میں وارد ہونے والا فقر اصلاحی' انتخابی' اختیاری اور انعامی فقر ہے وہ فقر جو آدمی کے مزاج میں درویشی اور بے نیازی کا جوہر ودیعت کر دے اور اسے دنیوی متاع کی حرص و ہوس کے بندھنوں سے آزاد کر کے اللہ کی شان بے نیازی سے نوازے لیکن یہ عالم آزادی و بے نیازی آسانی کے ساتھ لائق حصول نہیں یہ منزل فقط اہل عزم و ہمت ہی طے کر سکتے ہیں علامہ اقبال فرماتے ہیں

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر
جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا
اللہ کی شان بے نیازی
یہ فقر غیور جس نے پایا
بے تیغ و سناں ہے مرد غازی

مومن کی اسی میں ہے امیری
اللہ سے مانگ یہ فقیری

فارسی میں فقر کا مترادف درویشی ہے اور فقیر کا درویش حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں

اے شحاکہ درویشانند شمارا بخدا وند
شنا سند واز برائے خدا کرامت کنند"

علامہ اقبال نے اصلی فقر کے حصول پر جسے وہ فقر حجازی قرار دیتے ہیں اکساتے وقت ایک شرط عائد کی ہے وہ ہے "ہمت ہے اگر" وہ جانتے ہیں کہ یہ مقصود سہل الحصول نہیں' دل و دماغ کو اور ذہن و ضمیر کو بے لگام جبلتوں کو دباؤ سے آزاد رکھنا یا یہ کہ جبلتوں پر قادر ہو کر اپنی ذات پر حکمرانی کرنا پسند و ناپسند کو اپنی تربیت یافتہ مرضی کے تابع رکھنا بڑا ہی مشکل کام ہے اور فقط اہل عزم و ہمت ہی سے بن پڑتا ہے۔

فقر کافر خلوت دشت و دراست
فقر مومن لرزہ بحر و براست

علامہ فرماتے ہیں فقر' ترک دنیا یا رہبانیت کا نام نہیں سردار انبیاء ﷺ تارک دنیا نہ تھے آپ کچھ مدت غور و تامل کی خاطر خلوت نشین ضرور رہے یا یوں کہے کہ رہا کرتے تھے مگر وہ مطالعہ ذات کبریا کا مرحلہ تھا۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ خوب علم حاصل کر اور پھر خلوت میں چلا جا" اھل فقراء اسلام جو حضرات الصوفیہ کہلائے اسی اصول پر کاربند تھے اور جب یہ حضرات تنہائی میں مطالعہ ذات کبریا اور تزکیہ نفس کا مرحلہ طے کر لیتے تھے تو مجسم ہدایت بن کر بر آمد ہوتے تھے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا قول ہے "کہ تم اسلام کو سچ مچ کا اسلام بناؤ تاکہ ایمان تک رسائی حاصل کر سکو اور ایمان کو اتنا مضبوط کرو کہ یقین تک رسائی حاصل ہو جائے" قرآن مجید میں ارشاد ہے "عرب بادیہ نشین کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے' اے رسول ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے البتہ تمہیں یہ کہنا چاہئے کہ ہم نے اسلام قبول کر لیا اس لئے کہ ایمان تو ابھی تمہارے قلوب میں داخل ہی نہیں ہوا"

حضرت جنیدؒ نے احمد بن حواریؒ کے حوالہ سے فرمایا "جس نے بے اتباع رسول ﷺ کوئی

عمل کیا وہ عمل بے اساس ہے" اسی طرح حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا" خواہ کوئی شخص صاحب کرامت ہی کیوں نہ نظر آئے یوں کہ بلندیوں میں پرواز کرنے پر قادر ہو مگر تم دھوکا نہ کھانا پہلے یہ دیکھو کہ حدود اسلام کا لحاظ کرتا ہے کہ نہیں شریعت کا احترام کرتا ہے کہ نہیں' طریقہ تصوف کی جڑ مضبوط اور شاخ پھل دار ہے یعنی صوفیہ حضرات عالم تھے اور اولاد آدم کے لئے اتحاد اور مصلح کی حیثیت رکھتے تھے اس اعتبار سے وہ بڑے مصروف لوگ تھے یہ لوگ خانقاہوں میں بند رہبر نہ تھے ان کی خانقاہیں مدرسے تھیں' تربیت گاہیں تھیں اسلام میں محض تارک الدنیا لوگ بھی گزرے ہیں مگر وہ واجب الاتباع نہ تھے فقرائے اسلام نبی اکرم ﷺ کے اس قول سے آگاہ تھے۔

لا رہبانیہ فی الاسلام "یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں ہے" علامہ فرماتے ہیں

سکوں پرستی راہب سے فقر ہے بیزار
فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی
یہ فقر مرد مسلماں نے کھو دیا جب سے
رہی نہ دولت سلمانی و سلیمانی

حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے جس طرح بلخ کے ایک نوجوان نے لاجواب کیا ایسا کبھی کسی نے نہ کیا تھا وہ حج پر نکلا ہم لوگوں سے بھی ملا اور مجھ سے پوچھنے لگا "اے بایزید! آپ کے یہاں "زہد" کی انتہاء کیا ہے میں نے کہا جب مل جاتا ہے کھا لیتے ہیں کچھ نہ ملے تو صبر کرتے ہیں وہ بولا ہمارے بلخ کے کتے بھی تو اسی طرح کرتے ہیں چنانچہ میں نے پوچھا "آپ کے یہاں زہد کی نہایت کیا ہے؟ بولا کچھ نہ ملے تو شکر کرتے ہیں کچھ مل جائے تو ایثار کرتے ہیں۔

اس فقیری میں امیری اور امیری میں فقیری کے نظریے کی محکم اساس پر اعتقاد ہے کہ بہ حقیقت آدمی کسی شے کا بھی مالک نہیں جو کچھ ہے خدا کا ہے اور آدمی کی جملہ متاع محض اللہ کی امانت ہے جو اسی کے حکم کے مطابق لٹائی جانے والی ہے اور یہ احکام قرآن میں بالوضاحت بیان کر دیئے گئے ہیں جہاں کہا گیا ہے کہ تمہاری دولت اور کمائی پر جملہ اہل حاجت کے حقوق ہیں وہ اہل حاجت غرباء ہیں وہ لوگ جو بظاہر کھاتے پیتے دکھائی دیتے ہیں لیکن رویہ بے نیازوں کا سا رکھتے ہیں مگر اندر سے بیچارے بالکل قلاش ہوتے ہیں۔

علامہ اقبال کا نظریہ ہمیں یہ باور کر لینے کا حوصلہ دلاتا ہے کہ وہ ان خدا مست خادمان خلق کے افکار و احوال سے بخوبی آگاہ تھے یہ صوفیہ لوگ دل کے پاک، نیت کے بے لوث اور ارادے کے پکے تھے یہی وہ لوگ ہیں جن کی اہل اسلام کے دلوں پر حکومت تھی۔

جن کی حکومت سے ہے فاش یہ رمز غریب
سلطنت اہل دل فقر ہے شاہی نہیں

دلوں پر حکومت کرنے کی خاطر قول و فعل میں ہم آہنگی لازم ہے آج کے دور کی سب سے بڑی بد قسمتی یہی ہے کہ "اخلاق" فکر و تامل کا مضمون بن کر رہ گیا ہے۔ کردار و عمل سے اس کا واسطہ بالکل نہیں رہا نیکی اور بدی محض فلسفیانہ بحث ہے اور نیکی کی تلقین کرنے والے نیت اور قلب کی نیکی سے گریزاں ہیں اول تو کھلم کھلا اپنے قول و فعل کی دھجیاں اڑاتے ہیں ورنہ کم از کم "پرائیویٹ زندگی" کو ضرور اپنے وعظ کی حدود سے خارج جانتے ہیں حالانکہ اخلاق و آدمیت زبان کی اور ذہن کی بات نہیں یہ قلب اور جان کی سوغات ہے کیونکہ ایمان صرف زبانی اقرار کا نام نہیں بلکہ قلبی تصدیق کا طالب ہے۔ حضرت عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی فرماتے ہیں (تجھے جس کی نگاہ کوئی فائدہ نہ دے اس کے لفظ بھی کوئی فائدہ نہ دیں گے کیونکہ نگاہ میں مقناطیسیت تو قلب کی صفائی ہی سے آتی ہے اکتساب جذب حسن عمل کا محتاج ہے اور حسن عمل آنکھوں میں بجلی بن کر چمکتا ہے علامہ اقبال فرماتے ہیں

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی
فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ اقبال بار بار اپنے معاصر صوفی و ملا پر طنز و تعریض کرتے ہیں اور اس لئے کرتے ہیں کہ ان میں جرات کردار نہیں وہ یا محض دنیادار ہیں یا محض خانقاہ نشین جس کا مطلب یہ ہے کہ یا وہ فقر کے معنی نہیں جانتے یا اخلاص سے محروم ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ امت روحانی اور اخلاقی رہبری سے محروم ہو گئی۔ علامہ فرماتے ہیں

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری

دراصل علامہ اقبال کے نزدیک اصلی فقیری تو یہ ہے کہ انسان خدائے لم یزل کے نافذ کردہ آئین کے مطابق زندگی بسر کرے اور نبی مکرم و محترم کی اتباع کو اختیار کرلے کیونکہ قرآن حکیم کا زندہ آئین' زندہ دستور اور زندہ اخلاق مردوں کے پاس تو نہیں چھوڑا جا سکتا۔ چنانچہ مردوں کو ہٹا دیا جائے گا یا ان سے قرآن لے لیا جائے گا اور انہیں دیا جائے گا جو مردے نہ ہوں اور اس کتاب زندہ سے زندگی اندوز رہیں۔

حضور نبی مکرم ﷺ نے فرمایا "کتنے ہیں قرآن کی تلاوت کرنے والے جن پر قرآن لعنت بھیج رہا ہوتا ہے" اس لئے کہ قرآن کے مطالعہ میں تو محض زبان مصروف ہوتی ہے قرآن کے احکام پر دل آمادہ نہیں ہوتا اور طبیعت کاربند نہیں ہوتی۔ دنیوی تمنائیں اور مادی ہوا و ہوس حسین بتوں کی طرح دل میں آباد رہتی ہیں جن پر ایمان کو قربان کر دیا جاتا ہے تو ایسے حالات میں اصل فقیری کیسے حاصل ہو سکتی ہے۔

علامہ اقبال نے قرآن کریم کی ترجمانی کرتے ہوئے قوم کو صحیح اسلامی فقر کی راہ دکھائی۔ قرآن کریم میں جہاں یہ فرمایا گیا ہے کہ انسانوں کو ہم نے اپنی بندگی کے لئے پیدا کیا ہے وہاں اس حقیقت کو بھی واشگاف کر دیا گیا ہے کہ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ بھی ہے وہ تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے اس لئے بنی نوع انسان کی حقیقی کامیابی ان دونوں حقیقتوں کو یکجا رکھنے میں ہے۔ جو قوم حامل کتاب و ایمان ہونے کے ساتھ ساتھ فطرت کی طاقتوں کو تسخیر کر کے انہیں انسانیت کی خدمت میں لگانے کا کام بھی کرے گی وہی خلافت ارضی کا حق ادا کر پائے گی۔ جس طرح دین و سیاست کی دوئی سے چنگیزیت فروغ پاتی ہے اسی طرح اللہ کی عبادت اور تسخیر کائنات کی جدائی سے بھی انسانیت کی قبا چاک ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں جہاں نماز اور کثرت ذکر کا حکم بار بار دیا گیا ہے وہاں مظاہر فطرت یعنی آیات کائنات میں تدبر و تفکر کی تلقین کے لئے سات سو سے اوپر احکام موجود ہیں۔ قرآنی فقر کا

مقصود یہ ہے کہ انسان کا عقلی اور روحانی جوہر دونوں اپنے کمال کو پہنچ جائیں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ذکر اور فکر دونوں ساتھ ساتھ چلیں۔ کیونکہ اللہ کی عطا کی ہوئی عقل اللہ کے ذکر کے بغیر کبھی کامل نہیں ہو سکتی۔ اسی لئے علامہؒ نے فرمایا۔

فقر قرآں اختلاط ذکر و فکر

فکر را کامل ندیدیم جز بہ ذکر

انسان کی شخصیت کی تکمیل کا راز ایجاد و تسخیر کرتے ہوئے نعرہ تکبیر بلند کرتے چلے جانے میں ہے۔ مرد مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ کے مطابق حیات ارضی کے دوران اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز سے دلی محبت نہ کرے اور نہ ہی کسی مقام کو اپنی منزل سمجھ کر اپنا رخت سفر کھولے بلکہ اللہ کے قرب کے لئے اپنا سفر جاری رکھے۔ ترک دنیا کی حقیقت یہی ہے کہ دنیا کی کسی شے کو دل میں جگہ نہ دی جائے۔ جس طرح سیڑھی پر چڑھتا ہوا آدمی بلند تر درجہ پر قدم رکھنے کے لئے نیچے والے درجہ سے قدم اٹھا کر اسے ترک کرتا ہوا بلند ہوتا چلا جاتا ہے اسی طرح مرد مومن بھی کہیں رکنے نہیں پاتا اور منزل ماکبریاست کا نعرہ بلند کرتا ہوا ہر لحظہ نئی آن نئی شان سے اپنا قدم آگے بڑھاتا چلا جاتا ہے۔ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

فقر مومن چیست؟ تسخیر جہات

بندہ از تاثیر او مولا صفات

ہستی او بے جہات اندر جہات

او حریم و در طوافش کائنات

یعنی مومن کا فقر یہ نہیں ہے کہ وہ جہان آب و گل کو اغیار کے اختیار میں دے کر خود تسبیح و مناجات میں مشغول ہو جائے بلکہ اسے تو کائنات کی ہر چیز کو تسخیر کر کے اپنی اطاعت میں لگا لینے کا منصب عطا کیا گیا ہے اور اسی کے زیر اثر اس کا ذوق خدائی نمو پاتا اور وہ مولا صفات بنتا چلا جاتا ہے اس عظیم اور منفرد مقام کا حامل ہونے کی حیثیت سے انسان ہی اس مادی کائنات کا مرکز ہے اور کائنات کی ہر چیز حرم انسانیت کے گرد طواف کرتی نظر آتی ہے اس طرح یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ انسان کو اگرچہ اس محدود مادی دنیا میں اپنے جوہر خودی کی تکمیل کے لئے مادی جسم عطا کیا گیا

ہے لیکن اس کی روح کا تعلق اس عالم خلق سے نہیں بلکہ عالم امر سے ہے۔ اس لئے جہات میں گھری ہوئی دنیا سے اس کا مقام وراء الوراء ہے۔

قرآن کریم کی تعلیم نے قرون اولیٰ کے مسلمانوں کو اسی فقر کی دولت سے مالا مال کر کے بہترین امت بنایا تھا۔ اسی کی بدولت انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کی سند عطا ہوئی اور پوری دنیا کی ہدایت و راہنمائی کے لئے اقوام عالم کی قیادت ان کے سپرد کی گئی۔ قرآنی فقر کے اثرات و معجزات اور ممکنات سمجھنے کے لئے بال جبریل میں درج علامہ اقبالؒ کی نظم ملاحظہ فرمائیں۔

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر، فقر ہے شاہوں کا شاہ
علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت و قلب و نگاہ
علم فقیہہ و حکیم، فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ، فقر ہے دانائے راہ
فقر مقام نظر، علم مقام خبر
فقر میں مستی ثواب علم میں مستی گناہ
علم کا موجود اور فقر کا موجود اور
اشھد ان لا الہ، اشھد ان لا الہ
چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ
دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نگہ توڑ دے آئینہ مہر و ماہ

عالمی تناظر اور اسلامی تحریکیں

(قاضی حسین احمد)

بعض لوگ اس بات کو ایک امر واقعہ کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ یہ یک قطبی دنیا ہے۔ بال آخر امریکہ غالب ہو کر رہے گا۔ امریکہ نے پوری دنیا کے لئے جو حکمت عملی ترتیب دی ہے اسے ہی کامیاب ہونا ہے۔ خوف زدہ کرنے کے لئے وہ تاثر پھیلاتے ہیں کہ امریکہ اپنے سیٹلائٹ کیمروں کے ذریعے سے انسان کے ہاتھ پر بندھی ہوئی گھڑی بھی دیکھ رہا ہے اور پوری دنیا میں کوئی چھوٹی سے چھوٹی مادی حرکت بھی اس کی نظروں سے اوجھل نہیں رہ سکتی۔ امریکہ کے مفادات کے لئے کام کرنے والے کارندے پوری دنیا میں تمام کمزور اقوام اور عوام کو یہی سمجھا رہے ہیں کہ سیاست یہ ہے کہ امریکہ کی مصلحت کو سامنے رکھ کر اس کی خوشنودی کے ساتھ اپنے لئے علاقے میں کوئی مقام بنایا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ امریکہ خود اخلاقی اور تہذیبی انتشار کا شکار ہے۔ معاشی اعتبار سے بھی وہ ابھی دس سالہ کساد بازاری سے نکلا ہے مگر معیشت غیر مستحکم ہے۔ عسکری اعتبار سے بظاہر مضبوط ہے لیکن جو فوج مرنے سے ڈرتی ہو وہ کوئی عالمی کردار ادا نہیں کر سکتی' خصوصیت سے اپنی سرحدوں سے دور..... کہنے کو تو وہ ایک سپر پاور ہے لیکن اس کے دائمی غلبے کا تصور ایک واہمہ ہے۔ اگر پاکستان میں ہم امریکہ کی بالادستی تسلیم کرلیں تو ہمارے لئے سیدھا سادا راستہ یہ ہے کہ ہم اپنے ایٹمی پروگرام سے دست بردار ہو جائیں' میزائل ٹیکنالوجی کے کام کو آگے بڑھانا چھوڑ دیں' فوجوں کی تعداد اس حد تک کم کریں کہ ہماری داخلی سکیورٹی کے لئے کافی ہو اور بھارت کے لئے کوئی چیلنج نہ رہے' علاقے میں بھارتی بالادستی تسلیم کرلیں اور کشمیر کا کوئی ایسا حل مان لیں جو بھارت اور امریکہ کے لئے قبول ہو' جس میں کنٹرول لائن کو مستقبل سرحد بنانے کی تجویز بھی شامل ہے۔

ہمارے ملک میں ایک ایسی بھارت نواز لابی موجود ہے جو بھارت سے دوستی کے پردے میں بھارتی بالادستی کے لئے استدلال پیش کرتی رہتی ہے۔ بعض اوقات محسوس ہوتا ہے کہ انہیں مسلم امت اور پاکستان سے زیادہ بھارت کے مفادات عزیز ہیں۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ بھارت اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ پاکستان ساری خرابیوں اور کمزریوں کے باوجود معاشی اعتبار سے بھارت سے بہتر ہے۔ ورلڈ ڈویلپمنٹ رپورٹ 99-1998ء کے مطابق پاکستان میں سالانہ فی کس آمدنی 490 ڈالر تھی جب کہ بھارت میں 390 ڈالر سالانہ تھی۔ غربت کی صورت حال بھی بھارت میں زیادہ ہی خراب ہے۔ پاکستان میں آبادی کا 34 فیصد خط افلاس سے نیچے ہے' جب کہ بھارت میں 41 فیصد۔ پاکستان میں ایک ڈالر روزانہ

آمدنی والے افراد آبادی کا 11.61 فیصد تھے' جب کہ بھارت میں 52.5 فیصد۔ بھارت جو کچھ اپنے دفاع پر خرچ کر رہا ہے اس کے نتیجے میں اس کا حشر روس سے بہت مختلف نہیں ہو سکتا۔ دیکھنے والوں کو یہ سب کچھ نظر آ رہا ہے۔ اگر اس لابی کی بات کو تسلیم کر لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پاکستان عالم اسلامی کی قیادت نہ کرے اور قوموں کی صف میں اپنے لئے ممتاز اور نمایاں مستقبل تلاش کرنے کی کوشش سے باز آ جائے' افغانستان اور وسطی ایشیا کی طرف نہ دیکھے۔

ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ پاکستان یا تحریک اسلامی کے لئے اس حکمت عملی کو اپنا لیں۔ ہم اسلام کو اللہ کی طرف سے آخری پیغام اور انسانیت کی فلاح کا ضامن سمجھتے ہیں ہمارا یقین ہے کہ انسان کو اسلام کے دامن میں ہی سکھ اور چین مل سکتا ہے۔ پاکستان کو اسلام کی تجربہ گاہ بنانے کے لئے بھارت اور امریکہ سے سیاسی' تہذیبی اور معاشی آزادی ضروری ہے جس کے لئے اقتصادی خود کفالت اور دفاعی قوت کا حصول ایک ناگزیر امر ہے۔ اگر ہم کشمیر سے دستبردار ہو کر کشمیری مجاہدین کا ساتھ چھوڑ دیں اور کشمیر کو بھارت کے حوالے کر دیں' تو یہ ہمارے زوال اور پستی کا آغاز ہو گا۔ بھارت اسی پر اکتفا نہیں کرے گا کیونکہ غاصب فتح کے بعد قناعت نہیں کرتا بلکہ پاکستان کو مکمل طور پر باج گزار طفیلی ریاست بنانے کے لئے آگے بڑھے گا۔ پاکستان میں سائنس اور ٹیکنالوجی کے فروغ کی کوشش ہو رہی ہے جس کی وجہ سے ہمہ جہت سائنسی ترقی کی طرف قوم متوجہ ہے' اس کی ایک وجہ عالمی سطح پر بھارت کے مقابلے کا داعیہ ہے۔ بھارتی بالادستی تسلیم کرنے کے بعد یہ داعیہ ختم ہو جائے گا۔ اپنے دفاع کو بھارت کے حوالے کر کے آگے بڑھنے کا جذبہ ماند پڑ جائے گا۔ پھر اقتصادی لحاظ سے پاکستان کا استحصال کیا جائے گا۔

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ امریکہ نہیں چاہتا کہ پاکستان اور بھارت میں مفاہمت ہو اور دونوں مل کر امریکہ پر دباؤ ڈالیں' مگر یہ لوگ چین کے گرد امریکی حصار کی بات کرتے ہیں' جس کے لئے بھارت امریکہ اور روس کی مشترکہ حکمت عملی یہ ہے کہ پاکستان کا ایٹمی میزائل پروگرام راستے سے ہٹ جائے تاکہ جنوب سے چین کا محاصرہ کر لیا جائے۔ عالم اسلام کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرنے کا یہ پورا کام پاکستان اور بھارت کی مفاہمت سے نہیں بلکہ پاکستان کو ایک طفیلی ریاست اور بھارت کو علاقائی منی سپر پاور بنا کر ہی ہو سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ امریکہ پاکستان اور بھارت میں مفاہمت نہیں چاہتا۔ اگر بھارت کے ارباب دانش اپنے حکمرانوں کو یہ سمجھا سکیں کہ وہ پاکستان اور چین سے اپنے تعلقات درست کر کے بھارت کو امریکی اثرات سے بچائیں تو اس کے لئے واحد راستہ یہ ہے کہ وہ کشمیر میں اپنی ہٹ دھرمی اور کشمیر کو بھارت کا اٹوٹ انگ کہنے کی عادت چھوڑ دیں اور کشمیریوں کی خواہش کے مطابق کشمیر کا فیصلہ

کرنے دیں۔ اس طرح سے بھارت اور پاکستان کی مفاہمت کے ذریعے سے اس علاقے میں امریکہ کی مداخلت کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔ بھارت یہ اس لئے نہیں چاہتا کہ وسطی ایشیا کی مسلمان ریاستیں افغانستان' ایران' ترکی اور پاکستان مل کر ایک بڑی سیاسی اور اقتصادی طاقت ہیں۔ بھارت مستقبل کی اس طاقت سے خوفزدہ ہے۔ بھارت میں پندرہ کروڑ سے زیادہ مسلم آبادی ہے۔ اس لئے اسلامی بنیاد پرستوں کا بھوت مغربی طاقتوں کی طرح بھارت کے سر پر بھی سوار ہے۔

ہمیں اپنی مختصر عمر میں بھی یہ سبق ملا ہے کہ بڑی طاقتیں ہمیشہ بڑی نہیں رہتیں۔ حالات کا اتار چڑھاؤ بڑوں کو چھوٹا اور چھوٹوں کو بڑا بنا دیتا ہے۔ ہماری زندگی کے اندر سورج غروب نہ ہونے والا برطانیہ ایک چھوٹی طاقت بنا اور پھر سب سے بڑی فوجی طاقت روس داخلی انتشار کا شکار اور اقتصادی طور پر بھی تباہ و برباد ہوا۔ وہ یورپی ممالک جو ہمیشہ سے آپس میں برسرپیکار رہے ہیں اور پھر ان کی سیاسی رقابتوں کے باعث دنیا پہلی اور دوسری جنگ عظیم کا شکار ہوئی' یہ ممالک آج کل ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں اور یورپی یونین کا قالب اختیار کر رہے ہیں۔ کوئی بعید نہیں کہ اسلام کے عالمگیر نظریے اور متحرک تعلیمات سے سرشار اسلامی تحریکوں کی رہنمائی میں عالم اسلام کا موجودہ انتشار مستقبل قریب میں کسی باہمی مفاہمت کی تحریک میں تبدیل ہو جائے اور اس وقت جو برائے نام او آئی سی موجود ہے وہ مستقبل میں چل کر اقتصادی' دفاعی اور سیاسی تعاون کے ایک بلاک میں ڈھل جائے کہ جس میں پاکستان' افغانستان' ایران' ترکی' وسطی ایشیا کی چھ ریاستوں پر مشتمل ایکو طرز کا بلاک بن جائے جو مسلمانوں کی مشترکہ تہذیبی اور سیاسی یکجہتی کا اظہار ہو۔ بھارتی اور مغربی لابی کی پوری کوشش ہے کہ وہ ان سارے امکانات کو دیوانے کی بڑ قرار دے دیں اور اسلامی تحریکوں کو اس کی طرف بڑھنے اور اس کا خواب دیکھنے کے بجائے غلامی کا خوگر بنا دیں اور حقیقت پسندی کے نام سے بھارت' امریکہ اور یورپین اقوام کی بالادستی کا سبق پڑھائیں۔

جو لوگ کشمیر کے جہاد ہونے میں شک کر رہے ہیں ان کے دلائل بہت بودے اور کمزور ہیں۔ کشمیر کی حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک آبادی کا بالکل ناجائز تشدد اور فراڈ کے ذریعے بھارت نے زبردستی اپنے فوجی تسلط میں رکھا ہوا ہے۔ مسلمان اس تسلط کے خلاف مزاحمت کر رہے ہیں۔ قرآنی نص کی رو سے تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ان مظلوم اور مقہور مسلمانوں کی مدد کو پہنچیں۔ یہی کام جماعت اسلامی کر رہی ہے اور یہی کام اسلامی تحریکیں کر رہی ہیں۔ کشمیر کا جہاد ہر لحاظ سے اسلامی جہاد ہے اور جو بھی کسی طریقے سے ان کی مدد کر سکتا ہے وہ جہاد فی سبیل اللہ کی تعریف میں آتا ہے۔ کچھ لوگ اس میں قیمتی جانوں اور اسلام کے جذبہ سے سرشار نوجوانوں کی قربانی کو ضائع قرار دے رہے ہیں حالانکہ جہاد کی کھیتی ایسی ہے کہ

جو کٹنے سے بڑھتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کو معراج کے واقعے میں ایک تمثیل کے ذریعے یہ بات بتائی گئی۔
کچھ لوگ جہاد میں ناکامی کے اندیشے کھڑے کر کے بھارت کی شرائط تسلیم کرنے کو دانش مندی اور عملیت پسندی کا تقاضا قرار دیتے ہیں۔ کشمیر کی موجودہ صورت حال میں سب کو نظر آ رہا ہے کہ بھارت وہاں زیادہ دیر اپنا تسلط نہیں رکھ سکتا۔ گذشتہ دس بارہ سال میں بھارت کو وہاں کافی زک پہنچی ہے۔ اگر عالم اسلام کے حکمران مسلمانوں کی عزت و آزادی کے لئے اقدامات کریں گے اگر پاکستان کی حکومت جہاد کا کھلا ساتھ دے، امریکی عزائم کی خاطر قدم پیچھے نہ ہٹائے۔ تو یہ جہاد مختصر ہو سکتا ہے۔ مجاہدین کی فتح تو نوشتہ دیوار ہے اور نظر آتی ہے جو لوگ بھارت کے آگے ہتھیار ڈالنے کی بات کرتے ہیں ان کی مانی جائے تو کہیں سے بھی ظلم کا راج کبھی ختم نہ ہو۔

موجودہ عالمی تناظر میں تحریک اسلامی کے لئے حکمت عملی طے کرتے وقت غیر ضروری ردوکد سے بچنا چاہئے۔ آج کی ضرورت یہ ہے اور یہ انسانیت کا امت مسلمہ پر حق ہے کہ اسلام کو ایک عالم گیر نظریے اور انسانیت کے لئے مکمل فلاح کے نظام کے طور پر پیش کیا جائے۔ اسلام کے حوالے سے مخالفین عدم برداشت، تشدد اور دہشت گردی کا جو پروپیگنڈا کر رہے ہیں اس کے توڑ کے ساتھ ساتھ اسلام کی حقانیت پر کامل یقین رکھا جائے اور نوجوان نسل کو اس یقین سے سرشار کیا جائے کہ دنیا کا مستقبل امریکہ کے ہاتھ میں نہیں اللہ رب العالمین کے ہاتھ میں ہے، حکمت، دانائی اور ایمان کامل کے ساتھ اگر اللہ کے بھروسے پر آگے بڑھیں گے تو عالم اسلام ہر لحاظ سے ایک بڑی قوت ہے جس کے پاس افرادی اور مادی وسائل ہیں، جس کے پاس دنیا کا متصل بڑا رقبہ ہے جو جغرافیائی لحاظ سے دنیا کا وسطی علاقہ ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کے پاس ایک ایسا دین ہے جو فرد کو اپنی ذات سے اٹھا کر قربانی کے لئے آمادہ کرتا ہے اور رنگ و نسل کے تعصّباب سے بالاتر کر دیتا ہے۔ ہمیں ہر طرح کے تعصب اور وہن (خوف) کے احساس سے آزاد ہو کر اور ایمان کامل سے مشرف ہو کر اپنی حکمت عملی طے کرنی چاہئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بے وقت ہر طاقت سے ٹکراؤ کی پالیسی اختیار کریں۔ ہمارے پیش نظر رضائے الٰہی کے بعد عوام کی مصلحت ہونی چاہئے اور پھر اس کے بعد اس فریم ورک میں رہتے ہوئے دنیا کی طاقتوں سے برابری کی بنیاد پر روابط اور تعلقات بھی رکھنا چاہئیں۔ لیکن اگر ہم امریکہ یورپ اور بھارت کو راضی کرنے کے لئے اپنے رب کو ناراض کر دیں اور اپنے مفادات چھوڑ کر ان کے مفادات کے لئے کام شروع کر دیں تو اس سے اللہ بھی ناراض ہو گا اور یہ طاقتیں بھی راضی نہیں ہو سکیں گی۔

(بشکریہ نوائے وقت 2000-1-3)

غلاموں کی جمہوریت

(لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ) حمید گل)

قائداعظم کی ولولہ انگیز قیادت میں برصغیر کے مسلمانوں نے بے مثال جدوجہد کی اور برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان حاصل کر لیا' بلاشبہ یہ بہت بڑا کارنامہ تھا لیکن قیام پاکستان کے بعد ملک کا سب سے بڑا مسئلہ یہ رہا کہ ہم حقیقی آزادی سے محروم رہے۔ پاکستان کے قیام کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ ہم انگریزوں اور برہمنوں کے دباؤ سے آزاد ہو کر اپنا بابرکت نظام وضع کریں گے اور اس کے پربہار سائے میں زندگی بسر کریں گے۔ اس نظام کے قیام کی آرزو ہماری تاریخ میں دور تک دکھائی دیتی ہے اسی کے لئے مسلمانان برصغیر نے بے پایاں قربانیاں دیں۔ ان قربانیوں کا عکس ہمیں سید احمد شہید کی تحریک' ریشمی رومال تحریک' تحریک خلافت اور پھر تحریک قیام پاکستان میں دکھائی دیتا ہے۔ قائداعظم نے فرمایا تھا

Pakistan is not an end with itself but means to an end.

یعنی پاکستان بجائے خود کوئی مقصد نہیں بلکہ اصل مقصد کا ذریعہ ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا۔ ہمارے پیش نظر ایک ایسے خطے کا حصول ہے جہاں ہم آزادی سے اسلام کے سنہری اصولوں اور روایات کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ قائداعظم نے صاف لفظوں میں وضاحت کر دی تھی کہ اسلامی قوانین آج بھی اتنے ہی عملی ہیں جتنے چودہ سو برس قبل تھے۔ ظاہر ہے اسلام کے اصول قرآن و سنت پر مبنی ہیں لہذا قائداعظم کے پیش نظر یہاں قرآن و سنت کا نظام چلانا تھا۔۔۔۔۔ لیکن اس میں کلیدی لفظ (Catch Word) آزادی تھا' یعنی ہم یہ کام نہیں کر سکتے جب تک پوری آزادی حاصل نہ ہو گی۔ تمام تر مخالفتوں کے باوجود خطہ زمین تو مل گیا لیکن یہ عناصر چاہتے تھے کہ اب اس ملک کو نظام سے محروم رکھا جائے لیکن جب نظام کی بات شروع ہوئی تو سازشوں کے جال بنے جانے لگے۔ قائداعظم کی وفات کے بعد کوئی جماعت اور شخصیت ایسی نہیں تھی جو ان کے مقاصد اور عزائم کو لے کر آگے بڑھتی' چنانچہ یہ "قافلہ سخت جاں وادی پر خار" میں ہی رک گیا۔ تحریک پاکستان کا زور ٹوٹ گیا' نو برس تک آئین کی تدوین نہیں ہو سکی۔ یہ پاکستان کو اس کی فطری منزل سے دور رکھنے کی سازش تھی۔ 1949ء میں پاس ہونے والی قرارداد مقاصد قوم کی اجتماعی آرزو کا اظہار تھی لیکن اسے آئین کے دیباچے کا حصہ بنا دیا گیا۔ 1956ء میں ملک کو ایک سیکولر آئین دیا گیا جس کی وجہ سے اصل جوہر دفن ہو کر رہ گیا اور نظام جس کی تبدیلی کے لئے ملک حاصل کیا گیا تھا پوری توانائی کے ساتھ ہم پر مسلط رہا۔ جاگیردار' وڈیرے اور نوکر شاہی کے کارندے ہمارے سروں پر بیٹھے رہے۔

قیام پاکستان سے پہلے برطانوی امپیریل ازم کا ہم پر راج تھا۔ انگریزوں کے جانے کے بعد ان کی جگہ

بتدریج امریکہ نے لے لی۔ پاکستان شروع دن سے بظاہر سیکولر راہ پر چلا لیکن دراصل امپریلزم کے تابع رہا۔ 1956ء تک اس خطے میں انگریز کا اثر و رسوخ تھا۔ اسی سال انگریزوں نے فرانس سے مل کر نہر سویز پر حملہ کیا، مگر برطانوی استعمار پسپا ہو گیا۔ اس کے بعد ان چھوٹی قوموں کو جہاں اسلام اور آزادی کا جذبہ پروان چڑھ رہا تھا۔ انگریز کی عملداری سے نکال کر امریکہ کی سپردگی میں دے دیا گیا۔ یہ کیسی آزادی تھی کہ ملک ہمارا تھا مگر نظام دوسروں کا۔ پاکستان کو وجود میں آتے ہی بغداد پیکٹ، سیٹو اور سینٹو جیسے استعماری معاہدات میں شامل کر لیا گیا۔ ہمارے مغرب زدہ حکمران مرعوب ہو کر مغرب کے پیچھے پیچھے چلتے رہے، نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان اپنی منزل کھو کر کسی دوسری منزل کا مسافر بن گیا، حقیقی آزادی سے محروم رہا۔ قیام پاکستان کے مقصد کو زندہ کرنے کی تحریکیں چلیں لیکن اس دوران سوشلزم آ ٹپکا۔ اس نے پھر منزل کی راہ دور کر دی۔ یہاں تک کہ ہم جہاد افغانستان کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے، ہم روس سے نبرد آزما ہوئے۔ جہاد نے ہمیں منزل کا شعور دیا۔ اس موقعہ پر مغرب نے اپنے مقاصد کے لئے ہماری پشتیبانی کی۔ اس کے بعد امریکہ ہماری جان کے درپے ہو گیا۔ ایک تو اس نے ہماری معیشت کو پوری طرح اپنی مٹھی میں لے لیا، دوسرا اس نے ہمارے خارجی معاملات پر اثر انداز ہونا شروع کر دیا۔ شاید اس حقیقت کا اچھی طرح ادراک نہیں کیا گیا کہ شروع دن سے آج تک پاکستان کی وزارت خزانہ اور امور خارجہ امریکہ کے ہاتھ میں رہے ہیں۔ ماضی قریب میں تو وہ وزارت دفاع پر بھی قابض ہو گئے تھے۔

جہاد افغانستان کے بعد ہمارا قومی جوہر عمل پذیر ہوا، ایٹمی میدان میں ہم نے ترقی کی اور فوجی قیادت میں اضافہ ہوا اور ہم دفاعی ضروریات میں کسی حد تک خود کفیل ہو گئے۔ اسی دور میں جہاد کشمیر کا آغاز ہوا۔ جہاد افغانستان سے مراجعت کے ساتھ ہی امریکہ نے آنکھیں بدل لیں۔ بظاہر اس نے یہ تاثر دیا کہ ہم ہندوستان اور پاکستان کے درمیان مساوی طرز عمل اپنائیں گے لیکن ایسا نہیں تھا اب امریکہ واضح طور پر ہندوستان کی حمایت کر رہا تھا اور ہمارے پر کتر دینا چاہتا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ پاکستان حقیقی آزادی کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے۔ اس نے غلامی کا پھندا مزید تنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ امریکہ نے پاکستان کو بھارت کے سامنے جھکانے کی پالیسی اپنا لی۔ جنرل ضیاء الحق کے بعد پاکستان میں قائم ہونے والی جمہوری حکومتیں مکمل طور پر امریکہ کے تابع تھیں۔ آج بالکل واضح ہو چکا ہے کہ محترمہ کو کونسا ایجنڈا تھمایا گیا تھا، اس کے بعد نواز شریف کو جو ایجنڈا دیا گیا وہ بھی راز نہیں رہا۔

"جمہوریت" کے گیارہ برسوں کی کہانی امریکی ایجنڈے کی کہانی ہے۔ صاف نظر آتا ہے کہ امریکہ سے وفاداری اور اطاعت میں مقابلہ چل رہا تھا۔ ہم بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ امریکی ایجنڈے کا پہلا نکتہ جہاد کو ختم کرنا تھا اس کے علاوہ ایٹمی پروگرام کی بساط لپیٹنا اور کشمیر پر اپنی مرضی کا حل مسلط کرنا تھا، لیکن خوش قسمتی سے ہم نے اس عرصے کو استعمال کر کے جوہری قوت حاصل کر لی تھی جب وہ افغانستان میں پھنسے ہوئے تھے۔ دریں اثناء جہاد کشمیر شروع ہو گیا آئین کے ذریعے اسلامائزیشن کا عمل بھی شروع ہو چکا

تھا اور آئین کے اندر قرارداد مقاصد بھی شامل ہو چکی تھی۔ تاہم استعماری قوتوں نے اسلام آباد پر قابض اپنے ایجنٹوں کے ذریعے اپنا قبضہ باقی رکھا ہم اسلامی نظام کی برکات سے محروم رہے۔ امریکہ نے ہماری معیشت میں نقب زنی کی اور اپنے من پسند لوگوں کو پیسے لوٹنے کی کھلی اجازت دے دی' ملک کو قرضوں میں ڈبو دیا گیا اور سٹاک مارکیٹ کے ساتھ کھیل کھیلا گیا۔ یہ ساری سازشیں پاکستان کو ہندوستان کے تابع کرنے کے لئے کی گئیں۔ اسکا میں اپنے مضامین میں بار بار ذکر کرتا رہا ہوں۔ پاکستان کے عوام نے امریکی ایجنڈے کی بار بار نفی کی۔ اس کے باوجود امریکیوں کی مستقل مزاجی کی تعریف کرنا ہو گی کہ انہوں نے اپنے ایجنڈے میں سرمو تبدیلی نہیں لائی۔

گذشتہ ایک عشرے کے دوران ملک میں کئی حکومتیں بنیں' ہر حکومت نے حسب توفیق امریکی احکام پر عمل کر کے اسے راضی کرنے کی کوشش کی لیکن امریکی احکام پر عمل کر کے اسے راضی کرنے کی کوشش کی لیکن امریکی اہداف کی راہ میں عوام کی طرح ایک اور قوت بھی مزاحم تھی اور وہ پاک فوج تھی۔ عوام پاک فوج کی پشت پر تھے ایٹمی دھماکہ عوام کی حمایت سے فوج نے کرایا' سیاستدانوں کو ملک اور عوام کی پرواہ نہ تھی مگر عوام اور پاک فوج کے درمیان ایک خوبصورت رشتہ قائم ہو گیا۔ قوم کے اجتماعی ضمیر کی نمائندگی پس پردہ فوج کرتی تھی اور اس کا اظہار عوام کرتے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ بہت سے معاملات پر فوج اور عوام کے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم ہو چکا تھا۔ قومی اہداف دونوں کے ایک تھے اور یہ اہداف پورے کرنے والے محب وطن اور اسلام پسند تھے۔ امریکی اور ان کے پروردہ لوگ بھی یہ جانتے تھے کہ ایٹمی صلاحیت' کشمیر' افغانستان اور قومی یکجہتی جیسے معاملات پر فوج اور قوم کے اہداف ایک ہو چکے ہیں اور اس میں مدد کرنے والے اسلام پسند یعنی مجاہدین ہیں۔ اس کی عملی شکل ہم نے کارگل میں دیکھی۔ وہاں مجاہدین اور فوجیوں کا خون ایک ساتھ بہا۔ کارگل میں فوج بے مثال جذبہ جہاد سے لڑی۔ کارگل کی لڑائی نے اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کو خوفزدہ کر دیا۔ کیونکہ جس طرح کارگل میں پاک فوج لڑی ہے وہ کسی پیشہ ور فوج کا کام نہیں بلکہ یہ کام وہ کر سکتا ہے جس کے اندر روح محمد داخل ہو گئی ہو' یہی بات تو ابلیس کو ناپسند ہے علامہ اقبال کہتے ہیں کہ شیطان کو سب سے زیادہ خوف روح محمد سے ہے لہٰذا۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں کبھی
روح محمد اس کے بدن سے نکال دے

ہماری مجاہد فوج امریکی ایجنڈے کی تکمیل میں مزاحم تھی' اس لئے یہ امریکیوں کی آنکھ کا کانٹا بن گئی۔ فوج نے ملک و قوم کے قیمتی اثاثوں کے حفاظت کی تھی۔ فوج نہ ہوتی تو ہمارے وزرائے اعظم ملک کو ایٹمی صلاحیت سے محروم کر چکے ہوتے' کشمیری جہاد چھوڑنے پر مجبور ہو چکے ہوتے۔ چنانچہ امریکہ نے اپنی راہ کے کانٹے کو ہٹانے کے لئے فیصلہ کیا۔ طے پایا پاکستان کی فوج کو زیر دام لایا جائے یا اسے توڑ دیا جائے۔

اسے زیر دام لانے کے لئے کشاکش چلتی رہی لیکن اس میں وہ ناکام رہے کیونکہ اس کی روح میں ملک اور اسلام کی وفاداری سما چکی تھی' وہ فوج کی سوچ کو تبدیل نہ کر سکے جو دراصل قوم کی سوچ کی عکاس تھی۔ اس میں ناکامی کے بعد انہوں نے فوج کو تباہ کرنے کی ٹھان لی۔ معاہدہ واشنگٹن سے اس کا آغاز ہوا۔ اسے مکمل کرنے کے لئے بارہ اکتوبر کو تمام تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں۔ اس سازش کے مقاصد یہ تھے۔

1۔ فوج میں پھوٹ ڈالی جائے اور طاقت ان ہاتھوں میں دے دی جائے جو طالبان سے ٹکرانے کے لئے تیار ہوں' اس کے لئے ملک میں دہشت گردی کا جواز پیش کیا جائے۔ آج اس دہشت گردی کا نام و نشان نہیں رہا۔ اسی طرح کارگل کے دنوں میں بھی یہ دہشت گردی غائب ہو گئی تھی۔ طالبان پر "دہشت گردی" ختم کرنے کے لئے دباؤ اور اسامہ بن لادن کی گرفتاری کے لئے بھی زور ڈالا گیا۔ یہ اسی سازش کی کڑیاں تھیں۔ اس ضمن میں امریکہ اور واجپائی کے بیانات میں واضح مماثلت پیدا ہو گئی تھی۔ مجاہدین اور فوج کو لڑا کر جہاد ختم کیا جائے۔

2۔ فوج کی قوت اور تعداد کم کر کے کشمیر پر اس کا موقف تبدیل کیا جائے۔ یہ کام آئی' ایم' ایف اور ورلڈ بنک کے ذریعے بھی کرائے جانے کی کوشش کی گئی۔ اعلان لاہور نے فوج میں بے چینی پیدا کی تھی اور یہ تاثر پیدا ہوا کہ کشمیر ہاتھ سے نکل رہا ہے۔ اسی کی وجہ سے کارگل کا میدان جہاد سجایا گیا۔ اب رازوں سے پردے اٹھ رہے ہیں اور دشمن کے اہداف بھی واضح دکھائی دینے لگے ہیں۔

3۔ فوج کو کمزور کرنے کے بعد ایٹمی صلاحیت پر کنٹرول حاصل کرنا آسان ہو جاتا۔ اس کے ساتھ ہی پاکستان پر بھارت کی بالادستی اور کشمیر کا من مانا حل مسلط کرنا بھی ممکن ہو جاتا۔ پاکستان کے تمام اہم اداروں کو موم کی ناک بنانے کے بعد فوج کو بھی غلامی کا خوگر بنا لیا جاتا تو باقی کیا رہ جاتا۔

اللہ تعالٰی نے ہمیں ایک بار پھر مکمل تباہی سے بچا لیا۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ فوج بچ گئی ہے اور فوج کے بچنے سے ہمارا ملک بھی بچ گیا۔ آج ہمارا اولین ہدف یہ ہونا چاہئے کہ ہم فوج' ایٹمی صلاحیت اور مجاہدین کو بچانے کے لئے عوام کے اعتماد کو مزید مضبوط کریں اور فوج مجاہدین کے درمیان مضبوط رشتہ قائم کریں۔ مجاہدین ہماری قوم کا جوہر ہیں' یہ امت کے خوبصورت پھول ہیں' اگر یہ رشتہ مضبوط رہا تو آئندہ دو تین برس میں ہم تمام مشکلات پر قابو پا لیں گے۔ امریکی زیادہ سے زیادہ معاشی بلیک میلنگ کر سکتے ہیں یا پھر تنہا چھوڑنے کی دھمکی دے سکتے ہیں۔ کاش وہ ہمیں تنہا چھوڑ دیں' اگر ایسا ہو تو پھر ہم آزادی کے راستے پر چل نکلیں گے وہ ہمیں تنہا چھوڑنے کی غلطی نہیں کر سکتے۔ کہاں تو کل تک یہ دھمکی دی جا رہی تھی کہ فوج غیر آئینی طریقے سے حکومت تبدیل نہ کرے اور کہاں آج وہ فوجی حکومت سے تعلقات بڑھانے کے درپے ہیں۔ انہوں نے ایک دم پینترا بدل لیا ہے' پرانے شکاری نیا جال لے آئے ہیں۔ فوجی قیادت اگر ان کی مرضی کے مطابق "سٹیٹس کو" باقی رکھتی ہے تو جمہوریت کو بھلا کر اسے گلے لگانے کی کوشش کریں گے۔ اس کے اندر گھس کر توڑنے کی کوشش کریں گے۔ وہ اس فوج کو بھی معاف نہیں کریں گے جس

نے ان کے ارادوں کو خاک میں ملا دیا اور جس کے پیچھے قوم متحد ہو گئی ہے۔

ہمارا اصل مسئلہ آج بھی آزادی ہے۔ ماضی میں ہم نے مختلف نام نہاد جمہوریتیں دیکھیں۔ انہوں نے نہ صرف کشمیر' افغانستان' دفاعی اہمیت اور ایٹمی صلاحیت سے دستبرداری قبول کی بلکہ غیر ملکی قرضوں کے عوض آزادی بھی گروی رکھ دی۔ اب تو ایف بی آئی نے یہاں اپنا دفتر کھول لیا تھا اور وزارت داخلہ پر اپنے احکامات مسلط کرنا شروع کر دیئے تھے اور دوسرے محکموں میں بھی مداخلت شروع ہو گئی تھی مگر ان حالات میں فوج اور عوام نے مل کر آزادی کے تحفظ کے لئے بے مثال کاروائی کی اور اپنے اوپر "پنجابی فوج" ہونے کا داغ بھی دھو ڈالا۔ یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ قومی امنگوں اور ہردلعزیز پاک فوج کے اس حسین امتزاج میں بڑی توانائی ہے۔ اس پس منظر میں سوال یہ ہے کیا ہم آزادی حاصل کر پائیں گے یا پہلے کی طرح امریکہ کے اشاروں پر کام کرتے رہیں گے اور ان ہی کی جھولی میں دوبارہ جا گریں گے......؟ یہ بہت بڑا چیلنج ہے۔ دوسرا چیلنج یہ ہے کیا عوام اور فوج کا رشتہ برقرار رہے گا اس بات کا خطرہ موجود ہے کہ عوام اور فوج کے مل جانے کے باوجود امریکہ درمیان میں کود جائے۔ ہم امریکہ سے بگاڑ نہیں چاہتے لیکن اس کے ایجنڈے پر چلنا ہمارے قومی مفاد اور ملی وقار کے منافی ہے۔ امریکہ کو خوش کرنا ہماری حکمت عملی نہیں ہونی چاہئے' اس لئے کہ یہ وہ پتھر کا صنم ہے جس کی نصف صدی تک پوجا کر کے بھی ہمارے ہاتھ کچھ نہیں آیا۔ قومی یکجہتی باقی رہی تو انشاء اللہ ہماری کشتی بھنور سے نکل آئے گی۔ ہماری قوم نے حال ہی میں چار مواقع پر زبردست یکجہتی کا اظہار کیا ہے۔ نومبر 1996ء میں بے نظیر کے جانے کے بعد ساری قوم احتساب پر یکسو ہو گئی تھی دوبارہ 1998ء میں ایٹمی دھماکے پر پوری قوم یک جان تھی------ پھر کارگل پر پوری قوم یکسو اور یک آواز تھی لیکن ان تینوں مواقع پر قوم کے جذبوں کو زخمی کیا گیا۔ آج ایک بار پھر قوم فوج کے ساتھ شانہ ملائے کھڑی ہے اور نعرہ لگا رہی ہے قدم بڑھاؤ ہم تمہارے ساتھ ہیں آج بھی پہلا مطالبہ احتساب ہے' لیکن احتساب اسی وقت ہو سکتا ہے جب ہم پوری طرح آزاد ہوں۔ آزادی کا راستہ اپنانا ہے تو اللہ پر پختہ یقین اور عوام پر اعتماد بڑھانا ہو گا۔ ہمیں آئینی موشگافیوں میں پڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ وہ کچھ کر گزرنا چاہئے جو قوم کا متفقہ مطالبہ ہے لیکن میں ایک بار پھر یہی کہوں گا کہ مکمل آزادی کے بغیر کوئی احتساب ممکن ہے نہ انقلاب...... غلاموں کی نہ تو کوئی جمہوریت ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی مارشل لاء

غلامی میں کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

(بشکریہ نوائے وقت)

اپنے آپ کو پہچاننا

(امام غزالیؒ)

اے عزیز! اس حقیقت کو اچھی طرح جان لے کہ اپنے آپ کو پہچاننا معرفت حق کی کنجی ہے اسی واسطے کہا گیا ہے کہ جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اے پیارے! ساری دنیا میں کوئی چیز تیرے مقابلے میں تجھ سے زیادہ قریب نہیں۔ اگر تو اپنے آپ کو نہیں پہچانے گا تو اور کس کو جانے گا۔ اگر تو یہ کہے کہ ہم اپنے آپ کو پہچانتے ہیں تو غلطی کر گیا۔ کیونکہ ایسی پہچان اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کنجی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس طرح تو جانور بھی اپنے آپ کو پہچانتے ہیں۔ جیسے تو اپنے ظاہری اعضاء سر' منہ' ہاتھ' پاؤں اور گوشت کو پہچانتا ہے اور اپنے باطن سے اتنا واقف ہے کہ بھوک کے وقت روٹی کھاتا ہے' غصہ میں ہوتا ہے تو کسی سے الجھ پڑتا ہے اور شہوت کا غلبہ ہوتا ہے تو نکاح کر گزرتا ہے۔ اس بات میں جانوروں اور تجھ میں کوئی فرق نہیں۔

اصل میں تجھے یہ جاننا چاہئے کہ تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کہاں جائے گا؟ یہاں آیا کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تجھے کیوں پیدا کیا؟ تیری نیک بختی کس میں ہے اور بد بختی کس میں؟ جو صفات و عادات تیرے اندر ہیں ان میں بعض چرندوں اور پرندوں میں بھی ہیں اور بعض شیاطین میں ہیں اور بعض میں تو اور فرشتے برابر ہیں۔ تیری اصل کیا ہے اور کون سی صفات تیرے اندر عاریتہ ہیں؟ جب تک یہ نہیں پہچانے گا سعادت حاصل نہیں کر سکے گا۔

ان میں سے ہر ایک کی غذا جدا جدا ہے اور سعادت و نیک بختی کے اسباب و عوامل بھی جدا جدا ہیں۔ کھانا' پینا' سونا' موٹا اور قوی ہونا چارپایوں کی غذا اور سعادت ہے اگر تو بھی چارپایہ ہے تو رات دن تیری یہی خواہش و کوشش ہو گی کہ تیرے پیٹ اور شرم گاہ کا کام بنے۔ مارنا اور مار ڈالنا جیسی چیزیں درندوں سے متعلق ہیں یہی ان کی غذا اور سعادت ہے۔ جب کہ شر اور حیلہ اور مکر و فریب شیطان کا کام ہے۔ اگر تیرا تعلق شیاطین سے ہے تو تو بھی انہی کاموں میں مشغول رہ تاکہ تجھے آرام ملے اور نیک بختی تیرے ہاتھ آئے۔ اللہ تعالیٰ کا جمال دیکھنا فرشتوں کی غذا اور سعادت ہے' چارپایوں اور درندوں کی صفات کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ پس اگر تو فرشتوں سے ہے تو تو بھی

کوشش کر کہ تو اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور تجھے اس کے جمال کا مشاہدہ نصیب ہو اور تجھے شہوت و غصہ سے چھٹکارا نصیب ہو اور اس بات کی تلاش و جستجو میں اتنا منہمک ہو جا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے چرندوں اور درندوں کی صفات تیرے اندر کیوں پیدا کیں؟ کیا اس لئے کہ وہ تجھے اپنا قیدی بنائے اور تجھ کو جو سفر درپیش ہو تو اس میں تو انہیں تابع بنائے اور ایک کو بطور سواری اور دوسرے کو بطور ہتھیار استعمال کرے اور دنیا کی چند روزہ زندگی میں ان کو اپنے کام میں لائے۔ تاکہ ان کی مدد سے سعادت کا بیج تیرے ہاتھ لگے اور تو انہی ماتحت و مغلوم رکھ کر مقام سعادت کی طرف متوجہ ہو۔

اے پیارے! اگر تو اپنے آپ کو جاننا چاہتا ہے تو تجھے یہ بات سمجھنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دو چیزوں سے پیدا کیا ہے۔ ایک ظاہری ڈھانچہ جسے بدن کہتے ہیں اور جسے ظاہری آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے۔ دوسرے باطنی حقیقت جسے نفس، دل اور جان کہا جاتا ہے اسے فقط باطن کی آنکھ سے پہچان سکتے ہیں۔ ظاہر کی آنکھ سے اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ یہی باطنی معنی تیری حقیقت ہے۔ اس کے سوا جو چیزیں ہیں وہ اس کی تابع اور خدمت گار ہیں اور ہم اس حقیقت کو دل کہتے ہیں۔ ہم جب دل کی بات کہیں گے تو اس سے انسان کی حقیقت مراد ہو گی۔ اس حقیقت کو کبھی روح کہتے ہیں کبھی نفس۔ اور دل سے وہ گوشت کا لوتھڑا مراد نہیں جو سینہ میں بائیں طرف موجود ہے کیونکہ وہ تو جانوروں اور مردوں کے بھی ہوتا ہے۔ اس دل کو جو کہ حقیقت انسان ہے ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ جو چیز ظاہری آنکھ سے دکھائی دے اس کا تعلق اس عالم سے ہے جس کو عالم شہادت کہا جاتا ہے اور دل کی حقیقت کا اس عالم سے کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اس عالم میں وہ مسافرانہ طور پر آیا ہے اور بس ظاہری گوشت کا لوتھڑا اس دل کی سواری اور بدن کے سب اعضاء اس کا لشکر ہیں۔ وہ تمام بدن کا بادشاہ اور افسر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے جمال کا مشاہدہ اسی دل کی صفت ہے اور یہی عبادت کا مکلف ہے۔ خطاب اسی کو ہوتا ہے اور ثواب و عذاب کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ سعادت و شقاوت اسی سے متعلق ہیں اور ان تمام باتوں میں بدن اس کا تابع ہے اس کی حقیقت اور صفات کا پہچاننا اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی کنجی ہے۔ (کیمیائے سعادت) سے اقتباس

(مرسلہ شیخ محمد اسلم)

امام شافعی کا قول

ایم محمد اکرم

مدارج السالکین میں امام صاحب کا ایک قول نقل ہے فرماتے ہیں کہ۔

"میں نے صوفیا کی صحبت اختیار کی اور ان کی دو باتوں سے بڑا نفع اٹھایا' ایک یہ کہ وقت ایک تلوار ہے۔ اگر تم اس کو نہ کاٹو گے تو وہ تم کو کاٹ دے گا اور دوسری بات یہ کہ اگر تم اپنے نفس کو حق میں مشغول نہ کرو گے تو وہ تم کو باطل میں مشغول کر دے گا"

لفظ صوفی کی تحقیق

مختلف محققین نے اس لفظ کے مختلف اسباب بتائے ہیں۔ چونکہ یہ لفظ قرآن و حدیث سے ماخذ نہیں ہے۔ اس لئے اس کی اصل تک پہنچنے کے لئے دقت آ رہی ہے۔ البتہ محققین اس نکتہ تک ضرور پہنچے ہیں سب سے پہلے لفظ صوفی وضع ہوا۔ اس کے بعد اسی سے لفظ تصوف معرض وجود میں آیا۔ ایک مغربی (انگریز) محقق کے مطابق یہ لفظ ایران میں وضع ہوا۔ ایران میں ایک دور میں درویشوں کا ایک گروہ پیدا ہوا۔ جو صوف (موٹی اون) کا لباس پہنتے تھے۔ وہ بڑے متقی اور پرہیز گار تھے۔ چلتے چلتے لوگ ان کو صوف کی نسبت سے صوفی کہنے لگے۔ پھر اس کے بعد جو شخص بھی زہد و اتقا اختیار کرتا لوگ اسے بھی صوفی کے لفظ سے پکارتے۔

دوسری تحقیق میں بھی اس نام کا سبب عجیب بتاتے ہیں۔ عرب کے ایک قبیلہ بنو حضر کی ایک شاخ کا نام بنو صوفہ ہے۔ اس خاندان میں ایک عورت کے ہاں کوئی بچہ زندہ نہ بچتا تھا۔ اس نے منت مانی کہ اگر کوئی بچہ زندہ رہا تو وہ اس کے سر پر اون کا ٹکڑا باندھ کر اسے خانہ کعبہ کا خادم بنا دے گی چنانچہ غوث بن مر پیدا ہوئے اور زندہ رہے۔ تو اس کی والدہ نے اس کے سر پر اون کا ٹکڑا باندھ کر خانہ کعبہ کے لئے وقف کر دیا۔ جس کی وجہ سے اس کا لقب بنو صوفہ مشہور ہو گیا۔ یہ لوگ حاجیوں کی خدمت کرتے اور ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھتے۔ یہاں تک کہ اللہ کے فضل و کرم سے دین اسلام کا ظہور ہوا۔ یہ لوگ بھی اسلام لے آئے۔ وہ بڑے متقی' پرہیز گار اور عبادت گذار تھے اور ان کے بہت سے اور بھی ساتھی جو عبادت گزاری میں ان کے صحبت یافتہ تھے صوفی کے لقب سے مشہور ہوئے۔

نماز جمعہ کا بیان

حافظ محمد یاسین

جمعہ قرآن و سنت کی رو سے فرض ہے اور اس کی فرضیت پر امت کا اجماع ہے نبی اکرم ﷺ نے جمعہ کی ترغیب دیتے ہوئے اس کی فضیلت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔

"جو شخص جمعہ کے دن نہایا دھویا اور اپنے بس بھر اس نے طہارت و نظافت کا پورا پورا اہتمام کیا' پھر اس نے تیل لگایا' خوشبو لگائی اور دوپہر ڈھلتے ہی اول وقت مسجد میں جا پہنچا اور دو آدمیوں کو ایک دوسرے سے نہیں ہٹایا یعنی ان کے سروں اور کندھوں پر سے پھاندنے' صفوں کو چیر کر گزرنے' یا دو بیٹھے ہوئے نمازیوں کے بیچ میں جا بیٹھنے کی غلطی نہیں کی بلکہ جہاں جگہ ملی وہیں خاموشی سے بیٹھ گیا اور نماز سنت وغیرہ ادا کی جو بھی خدا نے اس کے حصے میں لکھ دی تھی' پھر جب خطیب ممبر پر آیا تو خاموش بیٹھا خطبہ سنتا رہا تو ایسے شخص کے وہ سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے جو پچھلے جمعہ تک اس سے سرزد ہوئے"

نماز جمعہ کی شرطیں

نماز جمعہ کے واجب ہونے کے لئے شریعت نے کچھ شرطیں مقرر کی ہیں' اگر یہ شرطیں نہ پائی جائیں تو جمعہ واجب نہ ہو گا۔

ان شرطوں کی دو قسمیں ہیں۔ کچھ شرطیں تو ایسی ہیں جو نماز کی ذات میں پائی جانی ضروری ہیں ان کو شرائط صحت کہتے ہیں۔

شرائط وجوب

نماز جمعہ کی پانچ شرطیں ہیں

1۔ مرد ہونا' عورت پر جمعہ کی نماز واجب نہیں۔

2۔ آزاد ہونا' غلام پر جمعہ کی نماز واجب نہیں۔

3۔ بالغ اور عاقل ہونا' بچے اور مجنون پر نماز جمعہ واجب نہیں۔

4۔ مقیم ہونا' مسافر پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے۔

5۔ تندرست ہونا' بیمار ہونا اور معذور پر نماز جمعہ واجب نہیں۔

بیمار سے مراد ایسا بیمار ہے جو جامع مسجد تک نہ جا سکتا ہو' رہا وہ معمولی بیمار جو چل پھر سکتا ہو اور جامع

مسجد تک پہنچنے کی سکت رکھتا ہو تو اس پر جمعہ واجب ہے۔ معذور دو قسم کا ہو سکتا ہے ایک وہ جس کی ذات میں کوئی عذر ہو مثلاً" اپاہج ہو' نابینا ہو یا بڑھاپے کی وجہ سے مسجد تک نہ جا سکتا ہو' دوسرا معذور وہ ہے جس کو خارج سے کوئی عذر لاحق ہو گیا ہو مثلاً" طوفانی بارش ہو رہی ہو' یا راستے میں کوئی موذی جانور ہو یا کسی دشمن وغیرہ کا خوف ہو۔

شرائط وجوب نہ پائے جانے کی صورت میں نماز جمعہ کا حکم

نماز جمعہ واجب تو اسی شخص پر ہو گی جس میں یہ پانچوں شرطیں پائی جائیں یعنی صرف اسی عاقل بالغ آزاد مرد پر نماز جمعہ واجب ہو گی' جو صحت مند اور مقیم ہو' لیکن کوئی ایسا شخص جس میں یہ ساری شرطیں یا کچھ شرطیں نہ پائی جائیں وہ اگر نماز جمعہ پڑھ لے تو اس کی نماز درست ہو گی یعنی اس کو نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد نماز ظہر پڑھنے کی ضرورت نہ رہے گی' مثلاً" کوئی خاتون مسجد میں جا کر نماز جمعہ پڑھ لے یا کوئی مسافر یا معذور اپاہج جمعہ پڑھ لے تو ان کی نماز جمعہ درست ہو گی اور پھر ان کو ظہر کی نماز پڑھنے کی ضرورت نہ رہے گی۔

جمعہ کے احکام و آداب

1۔ جمعہ کے دن طہارت و نظافت کا اہتمام کرنا' بال اور ناخن کٹوانا' بہتر سے بہتر لباس جو میسر ہو زیب تن کرنا' خوشبو لگانا اور پہلے سے جامع مسجد میں جا پہنچنا مسنون ہے۔

2۔ اگر اہتمام کے باوجود کبھی غلطی سے یا کسی کوتاہی سے جمعہ کی نماز نہ ملے تو پھر ظہر کی چار رکعت فرض پڑھنی چاہئے اور کچھ صدقہ و خیرات کر دینا چاہئے اسی طرح وہ معذور جو کسی کی تیمارداری یا طوفانی بارش کی وجہ سے یا دشمن وغیرہ کے خوف سے مسجد میں نہ جا سکتا ہو وہ بھی ظہر کی چار رکعت فرض پڑھے۔

3۔ بہتر یہ ہے کہ جو شخص خطبہ دے وہی نماز جمعہ بھی پڑھائے' لیکن کسی وجہ سے اگر کوئی دوسرا شخص نماز جمعہ پڑھا دے تو یہ بھی درست ہے۔ البتہ یہ ضروری ہے کہ نماز جمعہ وہی شخص پڑھائے جس نے خطبہ سنا ہے' اگر کوئی ایسا شخص نماز پڑھائے گا جس نے خطبہ نہ سنا ہو تو نماز نہ ہو گی۔

4۔ بستی کے سارے لوگ ایک ہی جامع مسجد میں جمع ہو کر نماز جمعہ پڑھیں تو یہ زیادہ بہتر ہے' لیکن شہر یا بڑے قصبے میں کئی کئی مقامات پر نماز جمعہ پڑھنا بھی جائز ہے۔

5۔ شہر میں یا ایسی بستی میں جہاں نماز جمعہ ہوتی ہو' نماز جمعہ سے پہلے ظہر کی نماز پڑھنا حرام ہے۔ معذور اور بیمار آدمی کو نماز جمعہ ہو جانے کے بعد ظہر کی نماز پڑھنا چاہئے۔

6۔ بیمار اور معذور لوگ جن پر نماز جمعہ واجب نہیں ہے' جمعہ کے دن ظہر کی نماز الگ الگ پڑھیں جمعہ کے دن ایسے لوگوں کو نماز ظہر جماعت سے ادا کرنا مکروہ تحریمی ہے۔

7۔ اگر کوئی مسبوق قعدہ آخیرہ میں آکر جماعت میں شامل ہو جائے یا سجدہ سہو کے بعد تشہد میں آکر شریک ہو جائے تب بھی اس کی نماز جمعہ درست ہے' جب امام سلام پھیر لے تو وہ بھی کھڑے ہو کر نماز جمعہ کی دو رکعت ہی ادا کرے۔

8۔ جمعہ کے دن کثرت سے نبی پاک ﷺ پر درود بھیجنا مستحب ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "تمہارے دنوں میں سب سے افضل دن جمعہ کا دن ہے اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور اسی دن ان کی وفات ہوئی اور اسی دن قیامت آئے گی لہٰذا اس دن تم مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو' اس لئے کہ تمہارا درود و سلام میرے حضور پیش ہوتا ہے"

خطبے کے احکام و آداب

1۔ خطیب دو خطبے دے' خطبہ اولیٰ میں سامعین کو دین کے احکام بتائے اور عمل پر ابھارے اور دوسرے میں قرآن کی کچھ آیتیں پڑھے رسول ﷺ پر درود پڑھے اور اصحاب رسول ﷺ اور عام مسلمانوں کے لئے دعا کرے۔

2۔ خطیب کو چاہئے کہ ہر جمعہ کے لئے مناسب اور جامع خطبہ تیار کرے اور ملک و ملت کے حالات اور ملت کے درپیش مسائل کو سامنے رکھ کر قرآن و سنت کی روشنی میں ہدایات دے' دین کی روشنی میں اپنے مسائل کو حل کرنے پر ابھارے اور تدبیریں بتائے' مسلمانوں کو ان کے دینی اور منصبی فرائض یاد دلائے اور ان میں دین و ملت کی تڑپ پیدا کرے۔

3۔ خطبے کے دوران جب نبی ﷺ کا اسم گرامی آئے تو دل میں درود شریف پڑھنا چاہئے۔

4۔ دوسرے خطبے میں نبی ﷺ کے آل و اصحاب' ازواج مطہرات' بالخصوص خلفائے راشدین اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے لئے دعا کرنا مستحب ہے۔ اسلامی حکومت کے سربراہ کے لئے دعا کرنا بھی جائز ہے۔

5۔ رمضان کے آخری جمعہ (جمعتہ الوداع) کے خطبہ میں فراق و وداع کے مضامین پڑھنا اگرچہ ممنوع نہیں ہیں لیکن چونکہ نبی ﷺ اور ان کے صحابہ کرام ؓ سے ایسی کوئی چیز منقول نہیں ہے نہ فقہ کی مستند کتابوں ہی میں کہیں ان کا ذکر ہے اس لئے مستقل طور اس طرح کے مضامین پڑھنا مناسب نہیں ہے اس طرح عوام ایک ایسی بات کو جو صرف مباح ہے سنت سمجھنے لگتے ہیں جیسا کہ آج کل جمعتہ الوداع کے خطبے کا بڑا اہتمام کیا جاتا ہے اور وداعی خطبہ نہ پڑھنے والے کو کچھ اچھا نہیں تصور کیا جاتا اور عام لوگ جمعتہ الوداع کی ایک مستقل شرعی حیثیت تصور کرنے لگے ہیں اس لئے مناسب ہے کہ اس اہتمام سے پرہیز کیا جائے۔ (ماخوذ از آسان فقہ)

FALAH-E-ADMIAT

Registered No. CPL 491

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا

صداقت — اللہ — محبت

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

ہے عرش بھی نیچا جو ہو پرواز مسلسل

بانی سلسلہ کی تصانیف

"چراغ راہ" خواجہ عبدالحکیم انصاری "سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے سالانہ اجتماعات پر مریدین کی تربیت اور راہنمائی کے لئے جو خطبات ارشاد فرماتے رہے یہ کتاب ان کا مجموعہ ہے اس میں نئے سلسلہ کے قیام کے اغراض و مقاصد تفصیل سے درج کرنے کے علاوہ راہ سلوک کے پیچ و خم، نشیب و فراز اس میں پیش آنے والی رکاوٹیں اور پیدا ہو جانے والی غلط فہمیاں بیان کر دی گئیں ہیں اور صدیوں سے حل طلب روحانی گتھیوں کو سلجھانے کے لئے ایسے ایسے نادر نکات بیان کئے گئے ہیں کہ یہ گیارہ خطبات ملت اسلامیہ کے لئے درس حیات اور سالکین کے لئے منارہ ہائے نور کی حیثیت رکھتے ہیں وہ خصوصی مسائل جن پر روشنی ڈالی گئی ہے یہ ہیں۔

☆ سلوک و تصوف میں اپنے ذاتی تجربوں اور تحقیق کا بیان۔
☆ مرشد کی تلاش کے دس سالہ دور میں کیسے کیسے فقیر ملے اور مرشد سے ملاقات کا حال۔
☆ ہمارے زوال میں امراعلماء اور صوفیاء نے کیا کردار ادا کیا؟
☆ علماء ظاہر اور اہل روحانیت صوفیاء کے اصلاح کے طریقوں میں کیا فرق ہے۔
☆ قوم میں تصوف خفتہ اور تصوف بیدار کے اثرات کیا ہوتے ہیں؟
☆ تصوف کی اہمیت اور انسان کی زندگی پر اس کے اثرات۔
☆ عقل صمیم، عقل سلیم اور قلب سلیم کیا ہیں اور ان سے ہمیں کیا ملتا ہے۔
☆ یوگا، ہپناٹزم اور مسمریزم کی حقیقت اور انکے مقابلہ میں اسلامی روحانیت کی برتری اور فضیلت
☆ کرامات کی طاقت کس طرح حاصل ہوتی ہے اور کشف کیونکہ ہوتا ہے؟
☆ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے قیام سے فقیری کی راہ کیونکر آسان ہوئی؟